مئی 2001

ماہنامہ

اردو دنیا

نئی دہلی

رابندر ناتھ ٹیگور

7 مئی 1861 - 7 اگست 1941

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

محکمہ ثانوی و اعلا تعلیم، وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند

کالی داس گپتا رضا تمیں رہے۔ قومی اردو کونسل کے سالانہ اجلاس میں 15 / مارچ 2000 کو کونسل کے دیگر اراکین پروفیسر جگن ناتھ آزاد، جناب گلزار اور جناب احمد سعید ملیح آبادی کے ساتھ کالی داس گپتا رضا (بائیں سے دوسرے)۔

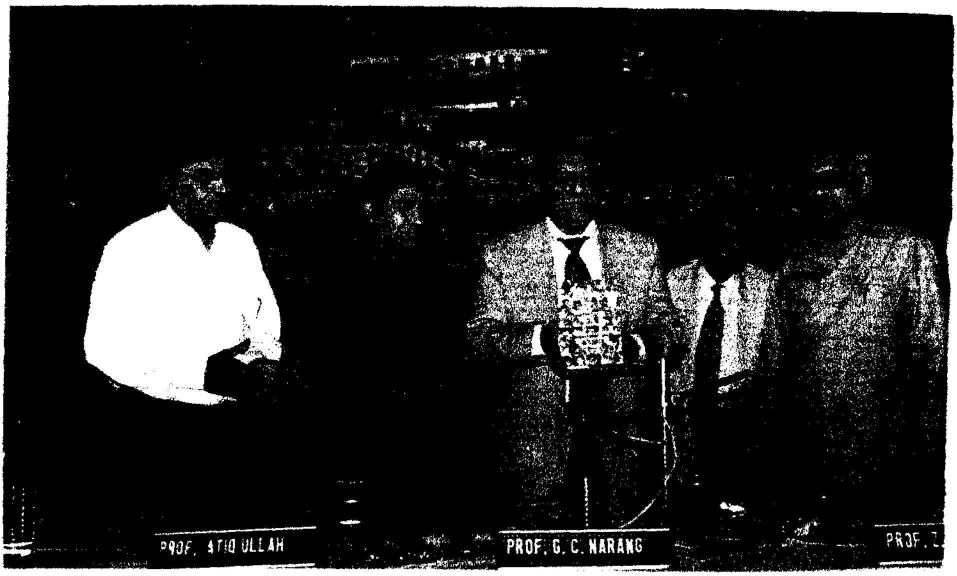

25 / مارچ 2001 رنگ محل رضا لائبریری میں پروفیسر گوپی چند نارنگ "شہکار شعری انتخاب" مرتبہ شوکت علی خان کا اجرا کرتے ہوئے۔
(دائیں سے) پروفیسر زاہد حسین زیدی وائس چانسلر روہیلکھنڈ یونیورسٹی، جناب وقار الحسن صدیقی، پروفیسر گوپی چند نارنگ، جناب شوکت علی خان اور پروفیسر عتیق اللہ۔

ماہنامہ
اُردو دُنیا نئی دہلی

جلد۔3، شمارہ۔5 : مئی 2001

قیمت -/10 روپے سالانہ -/100 روپے

مدیر: ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ
معاون مدیر: ارجمند آرا

مشیر: مخمور سعیدی

ناشر اور طابع:
ڈائرکٹر قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان
وزارت ترقی انسانی وسائل محکمہ تعلیم۔ حکومت ہند

صدر دفتر:
ویسٹ بلاک۔ 1، ونگ-6
آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی- 066 110
فون 6103381، 6103938
6179657 فیکس 6108159
ویب سائٹ
http://www.urducouncil.com
email: urducoun@ndf.vsnl.net.in

کمپوزنگ: قومی اُردو کونسل

مطبع: جے کے آفسیٹ پرنٹرس، جامع مسجد
دہلی۔110006

مقامِ اشاعت: دفتر قومی اُردو کونسل

شعبۂ فروخت:
ویسٹ بلاک-8، ونگ-7،
آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی۔ 110066
فون: 6109746

شاخ: 5-4-4/435/20، گرین ہاؤس،
اسٹیشن روڈ، نام پلی، حیدر آباد 001 500 (A.P.)
فون: 4615139

اس شمارے میں

آپ کی بات .... خطوط 2
ہماری بات .... اداریہ 7
● معاشی نظام میں تبدیلی (گیسٹ کالم) .... اندر کمار گجرال 8
● ہندستان کی قومی زبان .... کے ایم منشی 11
● گوشۂ کالی داس گپتا رضا
تم جیسے گئے ایسے تو جاتا نہیں کوئی .... گوپی چند نارنگ 15
کالی داس گپتا رضا ایک نظر میں 17
کالی داس گپتا رضا۔ خوشبو کا سفر .... ابوالفیض سحر 18
● ہند ایران تعلقات کے نئے افق 23
● اردو کی صورتِ حال۔ چند باتیں .... عطا عابدی 25
● اردو کے میقاتی اخبارات ورسائل کے اشاعتی مسائل .... معصوم مراد آبادی 27
● ریڈیائی تحریر کی خصوصیات .... محمد شاہد حسین 30
● ٹیگور اور تعمیر وطن کی فکر .... سعید سہروردی 33
گوشۂ ادب
● چند اہم نظمیں (انگریزی سے منظوم تراجم) .... دھرم سروپ نکرا 35
گوشۂ فروغ کتب
● ''املا نامہ'' سے اقتباس .... گوپی چند نارنگ 38
● فلکیات یا علم ہیئت (اردو انسائیکلو پیڈیا جلد سوم سے اقتباس) 41
طلبہ کے لیے
● سائنس داں، ڈاکٹر اور انجینئر بننے کے مفت مواقع .... سلمان عابد 44
● کمپیوٹر میں تعلیم اور روزگار کے مواقع .... محمد شاکر کریمی 48
● جغرافیہ (کوئز) .... محمد اخلاق آزاد 52
قومی اردو کونسل کی سرگرمیاں .... ادارہ 55
اُردو خبر نامہ .... ادارہ 59
تبصرہ وتعارف .... کتابوں پر تبصرے 73
● تعلیم سماج اور کلچر / اے۔ کے۔ سی۔ اوٹاوے .... مبصر: ابو ظہیر ربانی ....
● ہڈ بتی (درد کہانی) / رتن سنگھ .... مبصر: سہیل ثاقب ....
● گوری / اجیت کور .... مبصر: پریم پال اشک ....
● انفراد / ڈاکٹر نوشاد احمد کریمی .... مبصر: اخلاق احمد آہن ....
● سائنس کی مایۂ ناز ہستیاں / ڈاکٹر احرار حسین .... مبصر: احمد کفیل ....
بچوں کا گوشہ
● چندا ماما .... عبد الودود انصاری 77

آپ کی بات

■ عمر شہید انصاری، چھاتا باد، کتراس گڑھ، دھنباد۔828113

حالیہ مردم شماری میں ایک عجیب بات دیکھنے میں آئی ہے: مردم شماری سے قبل اردو آبادی والے علاقوں میں ایسے پوسٹر چسپاں کیے گئے جن میں اردو آبادی سے کہا گیا کہ مردم شماری کے وقت مادری زبان کے خانے میں اپنی زبان "اردو" ہی لکھوائیں۔ اس طرح اگر زبان کے خانے میں صحیح اندراج کیے گئے ہوں اور جانب داری نہ برتی گئی ہو تو مردم شماری کی رپورٹ میں اردو مادری زبان والوں کی تعداد میں اضافہ ناگزیر ہے کیونکہ آبادی میں اضافے کے تناسب سے اردو والوں کی تعداد میں اضافہ فطری امر ہے۔ بظاہر یہ رجحان دل خوش کن ہے کہ اردو والے اپنی زبان کے تئیں بیدار ہیں اور اپنے حقوق کے تحفظ کو اولیت دیتے ہیں کیونکہ زبان سے متعلق پالیسیاں مرتب کرتے وقت مردم شماری کے یہ اعداد و شمار بڑی اہمیت کے حامل بن جاتے ہیں۔ لیکن مذکورہ بالا باتوں سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ اردو سے متعلق ہماری تشویش بے بنیاد ہے، درست نہیں ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ زبان سے دلچسپی کا یہ جذباتی اظہار محض وقتی ہے۔ اردو کا معاملہ محض مردم شماری تک ہی محدود نہیں ہے کیونکہ اس کے پڑھنے لکھنے کا چلن بتدریج کم ہوتا جا رہا ہے اور وہ زبان جو اپنے رسم خط میں لکھی اور پڑھی نہ جائے، کوئی بولی تو ہو سکتی ہے اردو نہیں۔ گھروں سے اردو نکل چکی ہے۔ اکثر اردو میڈیم اسکولوں میں اردو بحیثیت ایک اختیاری مضمون ہی پڑھائی جانے لگی ہے۔ بقیہ مضامین ہندی اور دوسری زبانوں میں پڑھائے جاتے ہیں اور طلبہ کی اکثریت بھی امتحان اردو کی بجائے دوسرے رسم خط میں دینا پسند کرتی ہے جب کہ انھیں اردو میں پرچہ لکھنے کی سہولت حاصل ہے۔ اور تو اور اب تو صورت حال یہ ہے کہ شادی کارڈ، دعوت نامے، رسیدیں، جلسے جلوس اور مشاعروں کے پوسٹرز کے علاوہ نکاح نامے وغیرہ بھی ہندی اور انگریزی میں چھپوائے جانے لگے ہیں۔ دوکانوں کے سائن بورڈ اور نام کی تختیوں پر دوسری زبانوں کے ساتھ ساتھ اردو لکھنا پسماندہ ہونے کی علامت بن گیا ہے۔ اردو لائبریریوں، مدرسوں اور اردو آبادی کے چائے خانوں اور ہوٹلوں میں صرف ہندی اور انگریزی کے اخبارات و رسائل ملیں گے۔ یہ اس بات کا اشاریہ ہے کہ معاشی طور پر آسودہ حال ہوتے ہی اردو پڑھنا اب پسند نہیں کیا جاتا۔ آخر اردو کہاں ہے؟ اردو کے ادبا و شعرا پر نظر ڈالیں تو پتا چلے گا کہ ان میں سے بیش تر کی اولادیں اردو رسم خط سے نابلد ہیں۔ اردو کے رسم خط کو بدلنے کی وکالت میں یہی طبقہ پیش پیش ہے اور اردو کے نام پر انعامات کی خطیر رقم بھی ان ہی کے حصے میں آتی ہے۔ اردو کے اشاعتی ادارے اردو کی کتابوں کو ہندی یعنی دیوناگری لپی میں شائع کرنے لگے ہیں اور اس کا قوی امکان ہے کہ آئندہ چند برسوں میں اردو کتابیں دیوناگری میں ہی نظر آئیں۔ ادھر حالیہ برسوں میں یہ رجحان عام ہوتا جا رہا ہے کہ

ڈاکٹر مرلی منوہر جوشی کے نام مکتوب

عزت مآب شری جوشی جی،

فروغ اردو کو ہندستانی تہذیب کی مرکزی وحدت کا حصہ بنا کر، جو ہمارے صدیوں پرانے مشخص کاروانِ رواں وجود ہے، آپ نے اردو زبان کو ایک نیا مفہوم اور نیا روپ عطا کیا ہے جس کے لیے میں بہت ہی مودبانہ التماس کے ساتھ آپ کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ ملک بھر میں اردو بولنے والے حلقوں کے استفادے کے لیے کمپیوٹر ایپلی کیشن اور ملٹی لنگول ڈی ٹی پی کے مراکز کے قیام کے ساتھ جو 1999 میں ابتداءً 54 تھے اور جن کی تعداد اگلے برس 100 ہو جانے کا امکان ہے، آپ کی وزارت نے اردو زبان کو اطلاعاتی ٹیکنالوجی میں ان نئے مواقع کا حصہ بنا دیا ہے جو نئے معاشی نظام کو تشکیل دے رہے ہیں۔ اس اقدام کے ذریعے اور دیگر کئی ترقیاتی اسکیموں کو شروع کر کے آپ کی وزارت کے ماتحت قومی اردو کونسل نے ہمارے ملک کے قومی اردو ادارے کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔ قومی اردو کونسل ایک ایسی فعال اور توانا نوڈل ایجنسی ہے جو 15 ریاستی اردو اکادمیوں، بہت سی رضاکار تنظیموں اور اس ملک کی سب سے بڑی لسانی اقلیت کے ہزارہا لوگوں کو رہ نمائی، مالی تعاون اور دیگر سہولتیں فراہم کر رہی ہے۔

قومی اردو کونسل کے اردو جرنلزم اور ماس میڈیا پینل کے چیئرمین کی حیثیت سے میں یہ بات شدت سے محسوس کر رہا ہوں کہ یہ نیا تناظر اور اپروچ جو اردو کو قومی ایجنڈے کا حصہ بنانے کا اہم کام انجام دے رہا ہے، متناسب طریقے سے ملک کے سامنے نہیں آ رہا ہے اور افسوس کا مقام ہے کہ ہمارے قومی میڈیا نے بھی جس کو مغرب زدہ انگریزی پریس بڑھنے کی پوری کوشش کر رہا ہے، اس پر کوئی توجہ نہیں دی ہے۔ کاش میرے اندیشے بے بنیاد ہوں اور آپ کے رہ نمایانہ اقدام قومی اردو کونسل کے وسیلے سے اردو کے ایک نئے وژن کا عملی پیش خیمہ ثابت ہوں۔

نہایت احترام کے ساتھ

آپ کا مخلص

جی ڈی چندن

G-46 جنگ پورہ ایکسٹینشن، نئی دہلی۔14

(25 دسمبر 2000 کے انگریزی مکتوب کا ترجمہ)

اردو کو دیوناگری میں لکھا جائے۔ اخبارات و رسائل میں اس موضوع پر مباحثے ہو رہے ہیں اور سارا زور یہ ثابت کرنے پر صرف کیا جا رہا ہے کہ اردو کی بقا کے لیے اس کا رسم خط بدلنا ضروری ہے۔ ممکن ہے آئندہ چند برسوں میں اردو زبان دانی کے سوالنامے ہندی میں تیار کرائے جائیں اور طلبہ امتحان کے پرچے اردو میں تو لکھیں مگر لپی دیوناگری ہو۔

ان مباحث کی روشنی میں یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ اردو کو درپیش مسائل میں سب سے اہم مسئلہ رسم خط کے تحفظ کا ہے اور یہی کام نہیں ہو رہا ہے۔ درس گاہوں کے باہر بھی رسم خط سکھایا جا سکتا ہے۔ لہٰذا اردو سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے ضروری ہے کہ پورے ملک میں عمومی طور پر اور اردو ہندی ریاستوں میں بالخصوص اردو رسم خط سکھانے کے مراکز کا جال پھیلا دیں اور مستعدی کے ساتھ کوشش کریں تو آئندہ چند برسوں میں اردو جاننے والوں کی ایک بڑی تعداد سامنے آجائے گی۔ اس سے نہ صرف اردو کو نئی زندگی ملے گی بلکہ اردو کتابوں، اخبارات و رسائل کی ترسیل میں اضافے کے ساتھ ساتھ روزگار کے مواقع بھی پیدا ہوں گے۔ نئے ہزارے، نئی صدی اور نئے سال کو اردو رسم خط کا سال قرار دے کر ملک گیر سطح پر بلاتاخیر اردو سکھانے کی مہم کا آغاز ہونا چاہیے۔ اس کے لیے ایک مرکزی (Centralized) رضاکار ادارے کا قیام وقت کی ضرورت ہے جس کا مقصد درس گاہ سے باہر دیگر ذرائع سے اردو رسم خط سکھانا ہو۔ کیا ملک کے کروڑوں اردو داں مل کر ایسی کسی مہم کا آغاز نہیں کرسکتے؟ اگر نہیں، تو پھر مادری زبان کے خانے میں اردو لکھوانے کا جواز کیا ہے؟

■ سید اقبال امروہوی، 609، اے کے ٹاور، مدینہ منزل کمپاؤنڈ گوریگاؤں، ممبئی۔62

''اردو دنیا'' کے مارچ کے شمارے میں آپ کی بات کے تحت جناب محمد محمود کا خط شائع ہوا ہے جس میں انھوں نے کچھ انگریزی اصطلاحات کے اردو ترجمے دیے ہیں۔ انھوں نے Legislation کے لیے قانون گزاری، Legislator کے لیے قانون گذار اور Legislative Assembly کے لیے مجلسِ قانون گزاری اصطلاحات تجویز کی ہیں جب کہ اردو میں ان انگریزی اصطلاحات کے اردو متبادل بالترتیب قانون سازی، قانون ساز اور مجلسِ قانون ساز رائج ہیں اور عام طور سے یہی اصطلاحات استعمال ہوتی رہی ہیں اور ان کو تبدیل کر دینے کا کوئی معقول جواز سر دست تو نہیں ہے۔ اسی طرح انھوں نے نفسیات کی ایک اصطلاح Psychosis کا ترجمہ نفسیاتی خوف کیا ہے جب کہ یہ اصطلاح نفسیات میں ایک ذہنی بیماری کے لیے استعمال کی جاتی ہے اور اردو میں اس کے متبادل جنون کی اصطلاح تسلیم کرلی گئی ہے۔ ڈاکٹر سید عباس حسین رضوی نے اپنی کتاب غیر طبعی نفسیات میں صفحہ 342 پر اس کی تشریح اس طرح کی ہے: ''ایک شدید قسم کی ذہنی بیماری جس میں مریض کا تعلق حقیقی دنیا سے بالکل منقطع ہو جاتا ہے اور اس کی شخصیت منتشر ہو جاتی ہے اور وہ واہموں اور وہم ادراک کا شکار ہو جاتا ہے''۔ عام طور پر نفسیات کی تمام کتابوں میں Psychosis کے لیے جنون کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے (ہو سکتا ہے اردو دنیا کے جس مضمون میں یہ اصطلاح استعمال کی گئی ہو وہ اصطلاحی مفہوم کے لیے نہیں بلکہ استعارتاً استعمال کی گئی ہو)۔

موصوف نے اپنے خط میں Behavioural Approach کے لیے سلوکی طرزِ فکر کی اصطلاح پیش کی ہے جبکہ Behaviour کے لیے اردو میں کردار بطور متبادل اصطلاح استعمال کیا جاتا ہے اور ہندستان اور پاکستان کی کتابوں میں یہی استعمال ہوتا بھی ہے جبکہ Approach کے لیے طرز نظر کی اصطلاح رائج ہے۔ قومی اردو کونسل کی فرہنگِ اصطلاحات (فلسفہ نفسیاتِ تعلیم) میں صفحہ 31 اور 43 پر یہی اردو متبادل دیے گئے ہیں۔

اردو میں اصطلاحات کے سلسلے میں ایک مسئلہ یہ ہے کہ اکثر مترجمین انگریزی اصطلاحات کے لفظی معنی استعمال کر جاتے ہیں جب کہ ان اصطلاحات کے لیے اردو متبادل اصطلاحات مختلف ہوتی ہیں۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان ایک باقتدار ادارہ تسلیم کرلیا گیا ہے اور اس کونسل کے تحت اردو زبان کے لیے جو کام کیا جائے اس کو تسلیم کرنا لازمی ہے۔ اس ادارے کی طرف سے اصطلاح سازی کے لیے جو کوششیں کی گئی ہیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ اس مقصد کے لیے مختلف علوم و فنون کے ماہرین پر مشتمل 18 کمیٹیاں تشکیل دی گئی تھیں جنھوں نے بہت کاوش اور جستجو کے بعد مختلف علوم کے لیے اصطلاحات وضع کیں اور کونسل نے ان کو شائع بھی کیا۔ اصطلاح سازی کے لیے تشکیل کی گئی کمیٹیوں کی رہنمائی کے لیے کچھ اصول بھی وضع کیے گئے تھے اور ان میں پہلا اصول تھا: ''ایسی اصطلاحات کو ترجیح دی جانی چاہیے جو مروج ہوں اور مقبول ہو چکی ہوں چاہے ان میں کوئی لسانی یا معنوی سقم ہی کیوں نہ ہو۔''

لہٰذا اصطلاحات سے متعلق مشکلات کو حل کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ قومی کونسل کی وضع کردہ اصطلاحات ہی استعمال کی جائیں اور مترجمین خاص طور پر اس بات کا خیال رکھیں کہ علمی مضامین میں انگریزی اصطلاحات کی جگہ جو اردو اصطلاحات استعمال کی

گئی ہیں وہ اس علم کی فرہنگ سے لی گئی ہوں۔ اگر کوئی ماہر فن کسی اصطلاح کو مناسب نہیں سمجھتا اور اس کی جگہ نئی اصطلاح تجویز کرنا چاہتا ہے تو وہ قومی کونسل کی توجہ اس طرف مبذول کرائے۔

■ **جاوید مرزا، دہلی**

یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ اردو کا 'بی' کورس شائع ہو گیا اور وہ طلبہ جو اردو کو بحیثیت دوسری زبان پڑھنا چاہیں گے 'بی' کورس پڑھ سکیں گے، لیکن اس کی کامیابی اسی وقت ممکن ہے جب سی۔بی۔ایس۔ای۔ اس کو ہندی اور انگریزی 'بی' کورس کے مساوی تسلیم کر کے نصاب میں جگہ دے ورنہ ان کتابوں کے شائع ہونے کا کوئی مطلب نہیں۔

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی، اردو اکادمی دہلی، کا فرض ہے کہ وہ اس نصاب کو منظور کرا کے سی۔بی۔ایس۔ای کے نصاب میں شامل کرائیں اس کے ساتھ ساتھ دوسرے مضامین کی طرح اردو کا بھی نصاب تعلیم شائع کیا جائے تاکہ اساتذہ کو پڑھانے میں آسانی ہو۔ جن اسکولوں میں اردو بحیثیت دوسری اور تیسری زبان کے نہ پڑھائی جا رہی ہو اور طلبہ پڑھنا چاہتے ہوں وہاں اردو اساتذہ کا بھی انتظام کیا جائے یہ کام اردو اکادمی بخوبی کر سکتی ہے۔

■ **محمود فیض آبادی، شعبۂ علوم سیاسی، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ**

"اردو دنیا" کے مارچ 2001 کے شمارے میں "آپ کی بات" کے تحت جناب اقبال امروہوی کا خط پڑھا۔ میں ان کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے میرے سہو پر گرفت کی۔ میرا اعتراض Intellectual Property کے ترجمے "عقلی جائداد" پر ہی تھا۔ میں نے اس کا بدل "مالکیتِ معنوی" تجویز کیا جو میری ایجاد نہیں بلکہ ایران کے تمام رسالوں اور جریدوں میں معمولاً استعمال ہوتی ہے۔ یہاں "معنوی" مقابل ہے "مادی" کا۔ مثلاً اگر زمین جائداد، سونا، چاندی، تمسکات وغیرہ مادی ملکیت ہیں تو کاپی رائٹ، پیٹنٹ ٹریڈ مارک، لائسنس وغیرہ معنوی ملکیت ہیں۔ لہٰذا Trade-related Intellectual Property Standards (TRIPS) کا ترجمہ "تجارت سے وابستہ مالکیتِ معنوی کے حقوق" یا معیار ہو سکتا ہے۔

■ **عبدالرحمٰن مخلص، سیر جاگیر، سوپور (کشمیر)**

حسین و جمیل و جلیل "اردو دنیا" بڑی پابندی سے مل رہا ہے۔ ایک بھی پرچے کا ناغہ نہیں ہوا۔ حیرت ہے کوئی ڈاک بابو فدا ہو کر اس کا "اپ ہرن" کر کے کبھی اپنے گھر کیوں نہ لے گیا؟ "آپ کی بات" (فروری، 2001) میں جناب سیّد ظفر ہاشمی، احمد آباد کا خط بڑا ہی حقیقت پسندانہ اور جرأت مندانہ ہے۔ یہ بات میری سمجھ میں کبھی نہیں آئی کہ یار لوگ ہاتھ دھو کر صرف اردو ہی کا رسم خط بدلنے کے پیچھے کیوں پڑے رہتے ہیں! بہت ساری اور زبانیں بھی تو ہیں جن کے رسم خط کو بدلنے کی بات کی جا سکتی ہے۔ میرے خیال میں اگر، خدانخواستہ، اردو کا رسم خط کبھی رومن یا دیوناگری ہو گیا تو یہ اپنا وجود گنوا بیٹھے گی۔ ہاشمی صاحب نے بالکل درست فرمایا ہے کہ ہمارے ملک میں ہر کوئی اس زبان کو محبوبہ بنانے اور حظ اٹھانے کا ہی روادار ہے، بیوی کی طرح رکھنے کا نہیں۔ یہاں اکثر لوگ اردو کی سوکھی مریل گائے کو حسبِ ضرورت دوہتے رہتے ہیں۔ پھر اس کے دودھ سے دہی، پنیر، مکھن، گھی، ملائی حاصل کرتے ہیں لیکن اس کے سامنے سوکھی گھاس کا ایک بھی پولا نہیں ڈالتے۔ یہ "بے چاری" گائے بھی ایسی دیالو ہے کہ نہ سینگ مارتی ہے اور نہ لات۔ بس دودھ دیتی ہے۔ دودھ، دودھ، دودھ!! اسی کی تھالی میں کھا کر اس میں چھید کرنے والے دوست نما دشمنوں سے اللہ اس زبان کو بچائے۔

■ **نظیر احمد بابا، مدرسہ تعلیم الاسلام، ترال، کشمیر**

جب سے آپ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، محکمہ تعلیم کے ڈائرکٹر کے منصب پر فائز ہوگئے تو اردو زبان و ادب کی ترقی اور اردو کتب کی اشاعت میں نیا پن اور ان سے متعلق بڑے بڑے منصوبے منصۂ شہود پر آگئے۔ ان کے لیے آپ قابلِ مبارکباد ہیں مگر بدقسمتی سے کتابوں کی قیمت بہت گراں ہے جس کی وجہ سے ہم جیسے لوگ جن کی آمدنی بہت محدود ہوتی ہے، خرید نہیں سکتے ہیں۔

آپ کے زیر ادارت ماہنامہ "اردو دنیا" کا مطالعہ بھی کرتا ہوں۔ اس وقت دسمبر 2000 کا مجلّہ زیر نظر ہے۔ صوری و معنوی دونوں اعتبار سے خاصے کی چیز ہے۔ لکھنے والے بھی ماشاءاللہ اردو ادب کے روشن ستارے ہیں۔

■ **محمد تنویر ذکی، نیو سنیماجی ٹی روڈ، آسنسول، مغربی بنگال**

"اردو دنیا" کے تمام مشمولات خوب سے خوب تر کی جانب گامزن ہیں۔ مارچ 2001 کے اردو دنیا میں "اردو خبرنامہ" میں ایک خبر اخبار مشرق کلکتہ کے توسط سے نظر نواز ہوئی جس کا عنوان "کلکتہ بلدیہ کی پیشانی پر اردو کا جھومر" ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ مغربی بنگال میں سب سے پہلے بلدیہ کی پیشانی پر اردو کا جھومر لگانے کا کام سیرام پور میونسپلٹی کے چیئرمین کسنو مکھرجی نے کیا تھا۔ یہ بات حقیقت سے عدم

واقفیت کی بناپر لکھی گئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مغربی بنگال میں بلدیہ کی پیشانی پر سب سے پہلے اردو کا جھومر لگانے کا سہرا آسنسول کارپوریشن کے سر ہے جس کے لیے اس وقت کے کارپوریشن میئر باباپد و گھر جی، ایم۔ آئی۔ سی عبدالجلیل اور سوسائٹی کے فعال ممبران کی خدمات کو پورے مغربی بنگال میں سراہا جائے گا۔

■ **انوار انصاری، سینئر آڈٹ آفیسر (ریٹائرڈ)، اولڈ ہزاری باغ روڈ، اپوزٹ چونا بھٹہ، رانچی (جھارکھنڈ)**

مارچ کا شمارہ پیش نظر ہے۔ آپ نے "ہماری بات" کے تحت نیشنل اوپن اسکول کے ذریعے اردو لسانی اقلیت کے لیے شروع کیے جانے والے مراسلاتی کورس کا تذکرہ کیا ہے۔ آخر یہ مراسلاتی کورس کب سے شروع ہوگا؟ داخلہ لینے کے طریقے اور دیگر اہم امور کی جانکاری اردو داں طبقے تک کیسے پہنچے گی؟ اس کی وضاحت بہت ضروری ہے۔ جناب گوپی چند نارنگ کا فروغ اردو زبان کے لیے دس نکاتی لائحۂ عمل کا بھی بہ غور مطالعہ کیا۔ اگر واقعی تمام اردو داں حضرات ان دس نکات پر غور کریں اور عمل کریں تو یقیناً صورتِ حال میں بہت کچھ تبدیلی آئے گی۔ میں نے دیکھا ہے کہ مسلم گھرانوں میں ہندی اور انگریزی کے اخبارات شوق سے خریدے جاتے ہیں مگر جب اردو اخبار اور رسائل خریدنے کی نوبت آتی ہے تو یہ حضرات کہتے ہیں کہ اردو اخبار میں ہوتا ہی کیا ہے۔ آدھے گھنٹے میں اخبار ختم ہو جاتا ہے اور معیاری خبریں بھی نہیں ہوتی ہیں۔ اچھے مضامین کی بات دور کی ہے۔

اردو کتاب میلہ اب ہر ریاست کے بڑے شہروں میں لگانے کی ضرورت ہے۔ یقیناً یہ میلے اردو کے حق میں مفید ثابت ہوں گے
گجرات کا قیامت خیز زلزلہ پڑھ کر دل کانپ اٹھا۔ خدا ہم سبھوں کو ایسی آفت سے بچائے۔ ابوالکلام صاحب کا مضمون "تعلیم" واقعی عمدہ مضمون ہے اور اسے سبھوں کو پڑھنے کی ضرورت ہے۔

بچوں کے لیے چمپک مہاراج ایک اچھا اور دلچسپ مضمون ہے۔
بڑے افسوس کے ساتھ تحریر کرنا پڑ رہا ہے کہ نئی ریاست جھارکھنڈ میں اب تک اردو اکادمی کا قیام عمل میں نہیں آسکا ہے۔

■ ہندی اور انگریزی کے ذریعے اردو رسم خط سکھانے کا مراسلاتی کورس یکم اپریل سے شروع ہوگیا ہے تین ہزار طلبہ کو پہلے مرحلے میں داخلہ دیا گیا ہے۔ داخلے سے متعلق اشتہار ہندستان بھر کے اہم اخباروں اور اردو دنیا کے جنوری 2001 کے شمارے میں شائع کیا گیا تھا۔
(ادارہ)

■ **محمد خیر اللہ (علیگ)، محمد پور، بال شنکر، مشرقی چمپارن، بہار۔**

"اردو دنیا" مارچ کا شمارہ ملا۔ آپ کی سرپرستی میں یہ پرچہ عمدہ سے عمدہ تر ہوتا جارہا ہے۔ معیاری مضامین اور عمدہ موضوع کے انتخاب نے اسے ہر دل عزیز بنادیا ہے۔ "اردو دنیا" ہر اعتبار سے خوبصورت معیاری اور متنوع ہے۔

گوشۂ ادب کے تحت "اردو تنقید کو فراق کی دین" آزاد گلاٹی کا مضمون بہت معلوماتی اور عمدہ ہے۔ "ہندستان کے میڈیکل کورس" کمپیوٹر کوئز، بچوں کا گوشہ کے تحت "چمپک مہاراج" بہت پسند آیا کیونکہ طالب علموں کو وقت پر اپنے شعبے سے متعلق معلومات فراہم کرائی گئی ہیں۔

"اردو خبر نامہ" نے تو ہر قاری پر اپنا گہرا نقش چھوڑا ہے کہ جب تک اس کالم کو نہ پڑھ لیں، سکون نہیں ملتا۔

■ **عبدالرحیم ارمان، ڈون پرخرس، منبر اسٹریٹ، اولڈ جالنا (مہاراشٹر)**

آپ کی ادارت میں شائع ہونے والے رسالے "اردو دنیا" کا متواتر مطالعہ کر رہا ہوں۔ یہ رسالہ اردو زبان کی ہمہ جہت ترقی کے سلسلے میں اپنا کردار مثبت طریقے سے ادا کر رہا ہے۔ دنیا بھر میں اردو زبان اور تعلیم سے متعلق جو جو اقدامات کیے جارہے ہیں ان سے یہ رسالہ برابر واقف کروارہا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ ہندستان کے مشاہیر، دانشوروں اور ماہرین زبان و تعلیم کے ارشادات اور خیالات سے بھی آگاہ کر رہا ہے۔ اس اعتبار سے یہ رسالہ انفرادیت کا حامل ہے۔ خاص طور سے اردو کمپیوٹر ٹریننگ۔ سافٹ ویر کی تیاری اور انٹرنیٹ کے ذریعے اردو زبان کی ترقی کے سلسلے میں جس جذبے اور تڑپ کا اظہار کر رہا ہے ان تمام چیزوں کو دیکھ کر اردو زبان کے مستقبل سے مایوس دلوں میں امید کی شمع فروزاں ہو رہی ہے۔

■ **محمد مرتضیٰ نبی، چانن پوسٹ، ڈامو، ولیا، باسوپتی ضلع مدھوبن (بہار)**

ایک رفیق کے توسط سے ماہنامہ "اردو دنیا" کے مطالعے کا موقع ملا۔ دورِ حاضر میں اردو زبان و ادب کی خدمت کے لیے قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی تشکیل سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے جس کے ذریعے علم و آگہی کے وسیع میدان میں اردو کے فروغ کی راہوں کو ہموار کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کی ترقی واشاعت کو دوبالا کرے۔

■ **رضوان خاں، شیخ سرائے، سیتاپور۔**

"اردو دنیا" مارچ 2001ء کا شمارہ باصرہ نواز ہوا۔ مختلف مضامین کے علاوہ بالخصوص ابوالکلام صاحب کا مضمون بہت پسند آیا۔ قرآن

پاک اور احادیثِ نبویؐ کی روشنی میں تعلیم کی اہمیت پر مبنی یہ مضمون نہایت مؤثر و معلوماتی ہے۔ گیسٹ کالم کے تحت گوپی چند نارنگ صاحب کا دس نکاتی لائحہ عمل بھی قابلِ ستائش ہے۔

■ محمد وصی اللہ ندوی، 254، پھول باغ، لکھنؤ۔

"اردو دنیا" پابندی سے مل رہا ہے۔ واقعی اس وقت اردو کو آپ جیسے کردار کے غازیوں کی ضرورت ہے۔ آپ نے نہ صرف ایک بہت بڑا خلا پر کیا ہے بلکہ ان لوگوں کو بھی مسکت جواب دیا ہے جو یہ پروپیگنڈہ کرتے رہتے ہیں کہ اردو، سائنس و ٹیکنالوجی اور دیگر عصری علوم کا ساتھ نہیں دے سکتی۔ میں آپ کو اس بات پر بھی مبارک باد دیتا ہوں کہ آپ "اردو دنیا" کے لیے مضامین وغیرہ کے انتخاب میں کام کو دیکھتے ہیں نام کو نہیں۔

■ محمد محمود رضا، 8/10، ذکریا اسٹریٹ، کولکاتا۔73 (مغربی بنگال)

"اردو دنیا" کا تازہ شمارہ مارچ 2001ء تاخیر سے ملا۔ تمام مضامین اچھے لگے ان میں "تعلیم" اور "لائبریری سائنس" کے علاوہ احمد رشید شیروانی کی رائے مسلم لڑکیوں کی تعلیم کے متعلق کافی پسند آئی۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان ایک قومی ادارہ ہے جو اردو کی ترقی اور اس کی ترویج و اشاعت کے لیے ہمہ دم کوشاں ہے۔ اردو کو انفارمیشن ٹیکنالوجی سے جوڑ کر اس کی بقا کے لیے اس نے جو کام کیا ہے وہ قابلِ ستائش ہے۔

■ محمد توفیق خاں، صدر ضلع انجمن ترقی اردو ہند (شاخ سرونج)، تلیہ، سرونج (ایم۔پی)

"اردو دنیا" کا ہر شمارہ اردو زبان سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے معلومات کا خزانہ ہوتا ہے اور اس کا ہر شمارہ پڑھ کر اردو کے روشن مستقبل پر یقین اور پختہ ہو جاتا ہے۔ آپ اس رسالے کے ذریعے اطلاعاتی ٹیکنالوجی کے حوالے سے اردو کی ترقی کے سلسلے میں جو معلومات فراہم کر رہے ہیں اس سے نئی نسل میں بیداری پیدا ہوتی جارہی ہے۔ لیکن ٹیکنالوجی کے دور میں اردو زبان کی سب سے زیادہ خدمت اگر کسی نے کی ہے تو وہ ہماری فلمیں ہیں۔ افسوس کا مقام ہے کہ اردو کے نام پر مقبولیت حاصل کرنے والی فلمیں بھی ہندی کے کھاتے میں جاتی ہیں۔

■ محمد رفیع بجاڑ، نچیاں تحصیل کرناہ، ضلع کپواڑہ، کشمیر۔

اردو زبان کے فروغ کے جو منصوبے قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے تحت چل رہے ہیں، آپ اپنی محنت، خلوص اور لگن کو بروئے کار لا کر انھیں کامیابی کے ساتھ انجام دیں یہی ہماری دعا ہے۔ جو بھی اقدام آپ نے کیے ہیں ان کے لیے ہم اردو والے آپ کے ممنون ہیں۔ ریاست جموں و کشمیر کی سرکاری زبان اردو ہے۔ گاؤں کے لوگ اردو زبان اچھی طرح سے بولتے ہیں۔ اس لیے آپ کا رسالہ اگر گاؤں میں بھی پہنچے تو یہ ایک بڑی خدمت ہوگی۔

اہلِ اردو کے دیرینہ خوابوں کی تعبیر

اردو انسائیکلوپیڈیا

جو بین الاقوامی معیار کو سامنے رکھ کر مرتب کیا گیا ہے

۳۲ علوم پر مشتمل تین کلیدی جلدیں شائع ہو گئیں

قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان نے اردو میں پہلا مکمل اور بین الاقوامی معیار کا انسائیکلوپیڈیا شائع کیا ہے۔ ابتدائی تین جلدیں ۳۲ علوم پر مشتمل ہیں۔ جملہ علوم پر مختصر نوشتے آٹھ جلدوں میں شائع کیے جائیں گے۔

سارا مواد بڑی دیدہ ریزی اور مشقت کے ساتھ سلیس زبان اور دلنشین پیرایے میں پیش کیا گیا ہے۔ یہ ایسی کاوش ہے جو آئندہ کئی نسلوں کو علم و دانش سے مالا مال کرتی رہے گی۔ ادیبوں، صحافیوں، طلبہ اور علم دوست قارئین کے لیے ایک نادر تحفہ، ہر جلد اپنے آپ میں مکمل ہے۔

جلد اوّل، 578 صفحات، قیمت-/300 روپے۔ جلد دوم، 568 صفحات، قیمت-/450 روپے۔ جلد سوم، 614 صفحات، قیمت-/450 روپے

قومی اردو کونسل، ویسٹ بلاک-1، ونگ-6، آر۔کے۔پورم، نئی دہلی

ہماری بات

گذشتہ چند برسوں سے یہ بحث خاصے زور شور سے چل پڑی ہے کہ جمہوریۂ ہند کا کام معیاری اعلا تعلیم کی مفت فراہمی نہیں ہے بلکہ سب سے بڑا مسئلہ ہر شہری کو بنیادی تعلیم کی فراہمی کا ہے۔ یہ بالکل درست ہے کہ آخر حکومت اپنے تعلیمی بجٹ کا بڑا حصہ یونیورسٹیوں پر کیوں خرچ کرے جب کہ ابتدائی تعلیم کی فراہمی ہمارے جیسے غریب ملک اور پسماندہ معاشرے کی اوّلین ضرورت ہے۔ اسی سوچ کے زیرِ اثر اعلا تعلیم کی نج کاری کی بات چل رہی ہے۔ لیکن اس کا دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ اعلا تعلیم کے لیے فراہم کردہ سہولیات کے سبب ہی آج ہمارے ملک میں ایک ایسے اعلا تعلیم یافتہ طبقے کا وجود ہے جو سائنس اور سماجی علوم کے میدان میں بین الاقوامی اسکالروں اور دانشوروں کے ہم پلہ ہے اور جس کے سبب عالمی سطح پر ہندستان کے دانشورانہ اور سیاسی بلوغ کو اعتبار حاصل ہوا ہے۔ اگر ہمارے فلاحی جمہوری نظام نے یہ سہولیات نہ دی ہوتیں تو آج یہ دانشور طبقہ جو ہندستان کے فکری افق پر نظر آرہا ہے، یقیناً موجود نہ ہوتا۔ ان دونوں پہلوؤں کے پیشِ نظر زیادہ درست یہ معلوم ہوتا ہے کہ اعلا تعلیم کی نج کاری کے بجائے، اس نظام کی بنیادوں پر نظرِ ثانی کی جائے۔ روزگار کی پالیسی میں یوں تو علاقائی، معاشی اور سماجی طور پر پس ماندہ طبقات کے مفادات کو تحفظ دیا ہی گیا ہے (درج فہرست ذاتوں، قبیلوں اور دیگر پس ماندہ ذاتوں کو نوکریوں میں ریزرویشن کی پالیسی اس کا ثبوت ہے) لیکن زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ تعلیمی اداروں کی پالیسی میں سماجی، معاشی، علاقائی اور صنفی پس ماندگی کی بنیاد پر خصوصی تحفظات دیے جائیں۔ سرکاری اداروں میں یہ تحفظات داخلوں میں میرٹ کے نمبروں کے تعین اور وظائف دے کر فراہم کیے جاسکتے ہیں۔ اس کے علاوہ حکومت کی موجودہ پالیسی کے تناظر میں تعلیمی اداروں کو چوں کہ فنڈ مہیا کرنے کا بھی مسئلہ درپیش ہے، اس لیے اس سیاق و سباق میں دیگر موثر طریقے اختیار کیے جاسکتے ہیں۔ مثلاً پروفیشنل کورسوں کے لیے زیادہ فیس لینا، معاشی طور پر آسودہ حال طبقے کے طلبہ سے پوری فیس لینا وغیرہ۔ چوں کہ معاشی آسودگی کا پیمانہ متعین کرنا ایک دقت طلب امر ہے اس لیے اس کا آسان ترین طریقہ طالبِ علم کے گذشتہ تعلیمی ریکارڈ کو قرار دیا جاسکتا ہے، مثلاً انگریزی میڈیم کے پرائیویٹ اسکولوں اور کانونٹوں (convents) سے آنے والے طلبہ یقیناً اعلا سطح پر بھی مہنگی تعلیم حاصل کرنے کے متحمل ہو سکتے ہیں۔ اس میں کوئی اخلاقی برائی نہیں کہ عام ٹیکس دہندہ کے پیسے سے چلنے والی سرکاری یونیورسٹی میں اس طبقے کے طالبِ علم سے فیس لے لی جائے جو کل یہاں سے نکل کر یا تو مزید اعلا تعلیم کے لیے یا پھر اچھی نوکری کی تلاش میں یورپ اور امریکہ چلا جائے گا اور وہاں بلا شبہ لاکھوں روپے سالانہ فیس ادا کرے گا۔

یہ اور اس قسم کے متعدد پہلو آج ہمارے ماہرینِ تعلیم اور پالیسی سازوں کے سامنے ہیں کہ تحرک پذیر معاشرے میں پالیسیاں منجمد نہیں ہو سکتیں اور ماضی کی تعلیمی پالیسیوں پر غور و خوض کر کے جرأت مندانہ پیش رفت کی ضرورت آج پہلے سے کہیں زیادہ ہے۔ گلوبلائزیشن اور آئی ٹی انقلاب کے اس دور میں اعلا تعلیم کے لیے ریڈیکل (Radical) تعلیمی پالیسی وقت کی اہم ضرورت ہے۔ حکومتِ ہند بھی بنیادی تعلیمی پالیسی میں تبدیلی کے لیے مسلسل کوشاں ہے، جس کے لیے عام ہندستانی کے تعلیمی اور سماجی مفادات مقدم رہیں تو یہ مستقبل کے ہندستان کو سب سے زیادہ استحکام بخشے گی۔

محمد حمید اللہ بھٹ

اندر کمار گجرال

گیسٹ کالم

معاشی نظام میں تبدیلی

بازار اور منڈی معیشت دنیا بھر میں پھیلتی جا رہی ہے اور منڈی معیشت کا فروغ صرف دھن دولت پیدا کرنے کا ذریعہ نہیں، بلکہ اقتدار کی عالمگیریت کا بھی وسیلہ بن گیا ہے۔ عالمی پالیسی سازوں اور مہذب سماجوں نے اب ایک مثبت تبدیلی کے انقلابی ایجنڈے کو اپنا لیا ہے۔ دنیا بھر میں معاشی مالیاتی نظام کی تبدیلیوں کے ساتھ ہی ساتھ تعلیمی نظام کی تبدیلی بھی ضروری ہو گئی ہے۔ نئے زمانے کا تقاضا ایک "متبادل تعلیمی پالیسی" ہے۔ یہ تبدیلی عملی ہونی چاہیے، کیونکہ تعلیم کو عمر کے ایک مخصوص حصے سے مختص نہیں کیا جاسکتا۔ بچپن میں بنیادی تعلیم اور اس کے بعد ثانوی درجوں کی تعلیم اور اس کے بعد اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم کا حصول زندگی بھر کیا جاسکتا ہے، لیکن روزگار اور ملازمت کے تقاضے تعلیم کے حصول میں آڑے آجاتے ہیں۔ اگر ہم تعلیم کا ایک ایسا نیا نظام تشکیل دیں کہ کسی کے لیے بھی اپنے روزگار اور ملازمت کے ساتھ تعلیم کا حصول بہ سہولت ممکن ہو جائے تو پھر کئی سماجی، معاشی اور ماحولیاتی مسائل حل ہونے لگیں گے، کیونکہ تعلیم پانے کا حق ہر انسان کا ایک پیدائشی حق ہے۔ تعلیم یافتہ لوگوں سے جمہوریت موثر اور طاقتور بن جاتی ہے، کیونکہ تعلیم یافتہ آبادی اپنے سیاسی حقوق اور قانونی حقوق منوالیتی ہے۔

سال 1990 میں جومتن کے مقام پر منعقدہ عالمی تعلیمی کانفرنس میں بنیادی تعلیمی ضروریات کی تکمیل کے لیے ایک عملی خاکہ منظور کر لیا گیا تھا، اس کے بعد سے دنیا بھر میں انفارمیشن ٹیکنالوجی کا ایک تیز و تند سیلاب امنڈتا آ رہا ہے، حد یہ کہ انفارمیشن ٹیکنالوجی کے اس امنڈتے ہوئے سیلاب سے پچھڑی اقوام اور سماج بھی فیضیاب ہونے لگے ہیں۔ ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ممالک میں پس ماندہ اب انفارمیشن ٹیکنالوجی معیاری تعلیم کی فراہمی کا ایک ذریعہ اور وسیلہ بن گئی ہے۔ اقوام متحدہ کے ایک ادارے UNDP نے گذشتہ سال اپنی رپورٹ میں بتایا تھا کہ وہ ادارہ اب انٹرنیٹ تک رسائی کو معیاری تعلیم کے لیے ایک کسوٹی جیسا مقرر کر رہا ہے۔ اس رپورٹ میں ہندستان کا تذکرہ بہت ہی مختصر ہے۔ اس بات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ انفارمیشن ٹیکنالوجی میں ہماری رسائی اور ترقی کتنی محدود اور غیر اہم ہے۔ اس رپورٹ کو دیکھنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارا مستقبل بڑی حد تک غیر یقینی ہے۔ انفارمیشن ٹیکنالوجی کا پھیلاؤ اور فروغ سماج کے سبھی طبقوں کے لیے مساویانہ انداز میں ہونا چاہیے۔ مہذب سماجوں اور پالیسی سازوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس اطلاعاتی عہد میں ناخواندگی کے انسداد کی کارروائی کو تیز و تند بنادیں، بجائے اس کے کہ ناخواندگی کے انسداد کے لیے مینڈک جیسا پھدکنے کا عمل کیا جائے۔ پورا زور معیاری تعلیم کی فراہمی پر ہونا چاہیے، معیاری تعلیم کی فراہمی کو ہی پہلی ترجیح اور اولین اہمیت ملنی چاہیے۔ تعلیم کے لفظ کے معنی محدود کر دینے سے کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا، ان معنی کو زیادہ سے زیادہ وسعت دینے کی ضرورت ہے۔ تعلیم نہایت ہی اعلیٰ معیار کی ہونی چاہیے، کیونکہ دنیا اب برق رفتاری سے ترقی کر رہی ہے۔ ناقص تعلیم ہم ہندستانیوں کو پچھڑا ہوا بنادے گی۔

انفارمیشن ٹیکنالوجی انقلاب کے طلوع ہونے تک بھی ہم ہندستانی انگریزی زباں دانی کو ایک تعلیمی معیار سمجھنے کے وہم میں مبتلا رہے۔ انگریزی زباں دانی کو علمیت کا معیار سمجھا گیا۔ انگریزی زبان کارآمد ضرور ہے، لیکن مکمل طور پر کارآمد نہیں۔ اب تعلیمی معیار کے لیے کمپیوٹر تعلیم لازمی بن گئی ہے، لیکن کمپیوٹر تعلیم کا حصول پہاڑ کاٹ کر دودھ کی نہر نکالنے جیسا دشوار اور کٹھن مرحلہ ہے۔ میں تو بس اسی امید میں زندگی کے دن گزارتا ہوں کہ جلد یا بدیر کمپیوٹر کی قیمتیں اتنی سستی ہو جائیں گی کہ ہمارے ملک کے دیہاتوں میں واقع اسکولوں میں کمپیوٹر فراہم ہو سکیں۔ اس خصوص میں عالمی سطح پر ہندستان کو وسیع تر امداد اور اشتراک و تعاون مطلوب ہے۔ حال ہی میں امریکہ میں YALE یونی ورسٹی میں ایک خطاب کے موقع پر میں نے یہ بات کہی تھی کہ امریکہ اور ترقی یافتہ مغربی دنیا کے ممالک میں جن کمپیوٹروں کو فرسودہ قرار دے کر کباڑ خانے میں ڈال دیا جاتا ہے، وہ فرسودہ کمپیوٹر

ہندستان میں کمپیوٹر کی بنیادی تعلیم دینے کے لیے فراہم کیے جاسکتے ہیں۔ امریکہ اور مغربی دنیا کے ترقی یافتہ ممالک میں بڑے بڑے اداروں کے کباڑ خانے ان فرسودہ کمپیوٹروں کے انبار سے بھر گئے ہیں۔ ہندستان اور دیگر ترقی پذیر اور پسماندہ ممالک میں کمپیوٹر کی بنیادی تعلیم کے لیے ان کمپیوٹروں کا استعمال کیا جاسکتا ہے۔ گلوبل کونسل آف ایجوکیشن (GCE) اس تعلق سے ایک جائزہ لے کر ہندستان اور دیگر ممالک کی کمپیوٹر تعلیم کی ضروریات کی تکمیل کر سکتی ہے۔

بیسویں صدی واقعی تہلکہ خیز واقعات سے بھرپور رہی، اس میں سوویت یونین کے زوال اور بکھراؤ کا واقعہ بھی شامل ہے۔ سوویت یونین نے سماجی مساوات کو کسی حد تک بامعنی بنادیا تھا۔ سوویت یونین کی ناکامیاں بھی رہیں، اس کے کارنامے بھی رہے۔ سوویت یونین نے دنیا کے 1/16 حصے میں عہدِ وسطیٰ کی تنگ نظری کا خاتمہ کیا اور سائنس و ٹیکنالوجی کے عہد کا آغاز کیا، اس کے لیے اس نے سوویت یونین کے سبھی علاقوں بالخصوص وسط ایشیا اور ماورائے قفقاز علاقوں میں ہر فرد اور ہر شہری کو تعلیم یافتہ بنادیا۔ اندھی عقیدتوں، تنگ نظری اور تعصبات کا خاتمہ کردیا، عورتوں کو پہلی بار آزادی ملی اور انھیں دن کا اجالا دیکھنا نصیب ہو سکا۔ آپ سبھی اس بات سے واقف ہیں کہ پانچ برسوں تک میں سوویت یونین میں مقیم تھا، اس مدت کے دوران میں نے سوویت یونین کے علاقوں کے وسیع تر دورے کیے۔ سوویت یونین کے کسی بھی علاقے میں مجھے ایسا کوئی بچہ نہیں ملا، جو کہ اسکول نہ جاتا ہو، نہ ہی کسی لڑکے یا لڑکی کو میں نے کسی کارخانے میں یا اجتماعی کھیت میں کام کرتے ہوئے دیکھا۔ سوویت یونین میں یہ ساری تبدیلی اکتوبر انقلاب کے پہلے دہے میں ہی مکمل کرلی گئی تھی، حالانکہ سوویت یونین کو اسی عرصے میں فاشستی جنگوں کا نشانہ بننا پڑا تھا۔ اس داستان گوئی سے میرا مقصد یہ ہے کہ عام تعلیم کی اہمیت اور اس کی افادیت کا احساس دلایا جائے۔ اگر سوویت یونین اپنے مملکتی حدود میں صرف دس سال کی مدت میں تعلیم کو عام کرنے کا کارنامہ انجام دے سکتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اتنی ہی مدت میں ہم یا دیگر ترقی پذیر ممالک اپنے اپنے مملکتی حدود میں تعلیم کو عام کرنے کا کارنامہ انجام نہ دے سکیں۔ سوویت سماج کا سب سے بڑا اور اہم کارنامہ شاید انقلاب کے جذبے کے زیرِ اثر انجام دیا گیا ہو، لیکن یہ ہماری اپنی بدبختی ہے کہ ہم نے آزادی کی جدوجہد ختم ہونے کے بعد جدوجہد کے جذبے کا ہی خاتمہ کردیا، حالانکہ آزادی کی جدوجہد کے دوران ہی گاندھی جی نے یہ مطالبہ قوم کے ہر فرد سے کیا تھا کہ "ہر فرد دوسرے فرد کو کچھ نہ کچھ سکھاتا رہے۔" گاندھی جی کی اس ہدایت پر سبھی نے تحسین و آفرین کے ڈونگرے برسائے تھے، لیکن اس کے بعد گاندھی جی کی اس ہدایت کو بھول بیٹھے۔ میں اکثر حیران ہو کر یہ سوچنے لگتا ہوں کہ ہم نے دستور کی رہنمایانہ ہدایات کو کس طرح سے یکسر فراموش کردیا۔ دستور کی رہنمایانہ ہدایات میں یہ وعدہ کیا گیا تھا کہ 1962 تک ملک میں ہر بچہ اسکول میں تعلیم پا سکے گا۔ بڑے دکھ اور نہایت کرب کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ سماجی فلاح و بہبود کے ایک نہایت اہم پہلو سے صرفِ نظر کرلیا گیا۔ پالیسی سازوں اور بیوروکریٹس نے ملک میں تعلیم عام کرنے کے ایک اہم مقصد کو پس پشت ڈال دیا۔ میں حیرانی کے ساتھ یہ بھی سوچتا ہوں کہ اگر ملک میں دستور کی رہنمایانہ ہدایات کے مطابق تعلیم عام کرنے کے وعدے کو پورا کردیا جاتا تو آج ہمارا ملک کتنا ترقی یافتہ اور خوشحال بن گیا ہوتا۔ ہماری جمہوریہ پہلے دہے کے دوران ہی عام تعلیم کی راہ پر تیزی سے گامزن ہو جاتی۔ تعلیم عام ہو جاتی تو سماجی اور معاشی نابرابریاں بھی ختم ہو جاتیں۔ ہماری قوم بھی دانشور اقوام کی ہم پلہ اور ہمسر بن جاتی۔ یاسیت پسند افراد کے اندیشے یہ ہیں کہ منڈی معیشت کا نظام ہماری سوشلسٹ مملکت کے سبھی ڈھانچوں کا خاتمہ کردے گا، لیکن یہ اندیشے حقیقت سے کوئی تعلق نہیں رکھتے، کیونکہ وہ لوگ خود حقیقت پسند نہیں ہیں۔ عورتوں کی آزادی ان کو گوارا نہیں۔ یہ لوگ عورتوں کو زندگی کے مختلف شعبوں میں داخل ہوتے اور ان کو ترقی کرتے دیکھنا نہیں چاہتے، حالانکہ ملک کی عورتوں کو بااختیار بنادینے سے ہمارے سماج کے سبھی شعبوں میں ترقی ہو سکے گی۔

ہماری جمہوریت کی کامیابی کی تاریخ بجا طور پر قابلِ فخر ہے، لیکن اصل روح جس کا کہ میں تذکرہ کرچکا ہوں، بس اسی کا فقدان ہے، کیونکہ ابھی تک جہالت کا دور دورہ ہے، بچوں کی بہت بڑی تعداد اسکولوں کو نہیں جاتی۔ آزادی کی جدوجہد اس لیے کامیاب ہوئی کہ قیادت نے عوام کو متحرک کرنے کے طور طریقوں کو بخوبی سمجھ لیا تھا، وہ عوام کو نوآبادیاتی حکمرانوں کے بارے میں اور ان کی حکمرانی کے طور طریقوں کے بارے میں اور ان کی حکمرانی کے خراب نتائج و عواقب

کے بارے میں واقف کراتے رہتے تھے، کیونکہ نو آبادیاتی حکمراں ہی ہماری مفلسی اور ہماری پسماندگی کے لیے ذمے دار تھے۔ اکیسویں صدی ہمارے لیے ایک بڑی للکار بھی ہے اور مواقع سے بھی بھرپور ہے، ان مواقع کی تفصیل بیان کرنے کی چنداں حاجت نہیں، لیکن ان مواقع سے استفادہ اور فیض صرف اسی صورت میں حاصل کیا جاسکتا ہے، جب کہ ہم معیاری تعلیم کو عام کر دیں۔ ہمیں اس وہم میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے کہ ایک ٹیلی ویژن یا ایک کمپیوٹر کلاس روم کا متبادل بن سکتا ہے، یا وہ کسی استاد اور کسی ٹیچر کا متبادل بن سکتا ہے، ٹیلی ویژن یا کمپیوٹر معیاری تعلیم کے لیے ایک کار آمد آلہ ضرور ہے، لیکن ٹیلی ویژن یا کمپیوٹر کسی تعلیمی ادارے یا کسی اسکول کے متبادل نہیں بن سکتے۔ ہندستان جیسے تیسری دنیا کے اکثر ملکوں میں نئے زمانے کے تقاضوں کی مطابقت میں اقدامات ہونے لگے ہیں۔ ہندستان کے چند علاقوں میں تیز و تند پیش رفت بھی ہوئی ہے، لیکن ہندستان کے بیشتر علاقے ابھی تک پچھڑے ہوئے ہیں۔ جب تک ہم اسکولوں کے انتظامیہ کو مقامی اداروں کے حوالے نہیں کرتے اور والدین کو اسکولوں کا نگراں مقرر نہیں کرتے، اس وقت تک تعلیم ادھوری چھوڑ دینے والے بچوں کی تعداد بڑھتی رہے گی۔ اسکول میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے شریک ہونے والے بچوں کی تعداد اور پھر تعلیم ادھوری چھوڑ دینے والے بچوں کی تعداد میں ایک نمایاں فرق ہے۔ چند بچوں کے تعلیم ادھوری چھوڑ دینے کی وجوہات معقول ہو سکتی ہیں، لیکن بچوں کی ایک بڑی تعداد کے اسکول چھوڑ دینے کی کوئی معقول وجہ نہیں ہو سکتی، اسی لیے تعلیمی نظام میں تبدیلی اور تعلیمی طور طریقوں میں تبدیلی بھی ضروری ہو گئی ہے۔

کچھ عرصہ ہوا کہ تعلیم ہماری آبادی کے اضافے پر بھی اثر انداز ہوئی ہے۔ کیرالا کی ریاست اس کی ایک مثال ہے۔ اس طرح امید کی ایک کرن دکھائی دیتی ہے۔ چند ریاستوں نے کیرالا ریاست کو نمونہ بنا کر تعلیم کے فروغ کے لیے اقدامات شروع کر دیے ہیں، لیکن ہندی پٹی کی ریاستوں میں ابھی تک ماضی کے اندھیرے چھائے ہوئے ہیں۔ یہ بدبختی ہے کہ ان ریاستوں میں ناخواندگی برقرار ہے اور تعلیمی معیار کافی پست ہے۔ (بہ شکریہ سیاست، حیدر آباد۔ 25/ فروری 2001)

تاریخِ ادبِ اُردو ۱۷۰۰ء تک

(جلد اوّل تا پنجم)

پروفیسر سیدہ جعفر۔ پروفیسر گیان چند جین

☆ عہدِ اولیں کے تمام مہیا مواد کا تحقیق شدہ نچوڑ۔ ☆ محققین، اساتذہ، اہلِ علم و قلم، طلبہ اور عام اُردو داں حضرات کے لیے ایک بہترین تحفہ۔

☆ لائبریری اور دیگر اداروں کی اہم ضرورت۔

☆ یہ تاریخ نہیں دستاویز ہے۔ ☆ قیمت فی جلد 170 روپے، مکمل سیٹ 850 روپے۔

جلد اوّل	صفحات 462	جلد دوم	صفحات 527	جلد سوم	صفحات 467
جلد چہارم	صفحات 431	جلد پنجم (مع اضافہ)	صفحات 443		

جو خریدار یا کتب فروش یکم جولائی 99 سے پیشتر یہ سیٹ خرید چکے ہیں کونسل سے مفت ضمیمہ طلب کر سکتے ہیں جو جلد پنجم کے تیرہویں باب پر مشتمل ہے۔

براہِ راست طلب کرنے پر طلبہ، اساتذہ اور اسکالرس کو خصوصی رعایت

صدر دفتر : قومی اُردو کونسل، ویسٹ بلاک۔ ۱، ونگ۔ 6، آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی۔ 006 110

فون : 6103381, 6103938, 6179657 فیکس : 6108159

حیدر آباد شاخ : 5-4-435/20 گرین ہاؤس، اسٹیشن روڈ، نام پلی اسٹیشن روڈ، حیدر آباد۔ 500002

گاہے گاہے باز خواں

کے۔ایم۔منشی

ہندستان کی قومی زبان

اپریل1935ء میں گاندھی جی کے ہمراہ میں اندور گیا جہاں انھیں ہندی ساہتیہ سمّیلن کی صدارت کرنا تھی۔اس وقت مجھے یہ محسوس ہوا کہ ہندستان کی قومی زبان کے لیے گاندھی جی نے جو تحریک شروع کی ہے،وہ کتنی طاقتور ہے۔انھوں نے ہندی سمّیلن کو فیضان عطا کیا اور ''دکھشن ہندی پرچار سبھا'' کو مشورے دیے جو جنوبی ہندستان میں شاندار کام کر رہی تھی۔

اس وقت یوپی میں سنسکرت آمیز ہندی اور فارسی آمیز اردو کے پُر جوش حامیوں کے درمیان زبردست تنازعہ چل رہا تھا اور وہ لوگ بھی لاعلمی کے باعث اس بحث میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے تھے جو اس مسئلے کی نوعیت سے بھی واقف نہ تھے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہندی اور اردو دو الگ الگ زبانیں نہیں ہیں۔ایک چھوٹے سے تعلیم یافتہ طبقے کی بات چھوڑیے۔یوپی کے لوگ ایک ہی زبان بولتے ہیں جس میں سنسکرت،فارسی اور مقامی عناصر کا امتزاج کہیں کم اور کہیں زیادہ ہوتا ہے۔جو فارسی کے الفاظ زیادہ استعمال کرتا تھا اس کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ وہ اردو بول رہا ہے اور جو سنسکرت یا مقامی الفاظ زیادہ استعمال کرتا تھا اسے ہندی والا کہا جاتا تھا۔راستے کا عام آدمی صرف وہی الفاظ استعمال کرتا تھا جو عام بول چال میں مشترک تھے۔اسے اس سے کوئی غرض نہ تھی کہ وہ الفاظ آئے کہاں سے ہیں۔اس زندہ زبان کو مردم شماری کے افسران ہندستانی قرار دیتے تھے جبکہ ہندو اسے ہندی اور مسلمان اردو کہتے تھے۔مردم شماری کی رپورٹ میں ڈاکٹر ہٹن کہتے ہیں:

''بات چیت کی زبان کے لیے ہندی اور اردو اصطلاحات کے استعمال نے دو مکتبِ خیال کے لوگوں کے درمیان تلخ تنازعہ پیدا کر دیا ہے اور اس کا سلسلہ ہندو مت اور اسلام سے جوڑا جا رہا ہے۔ اگر عملاً دیکھا جائے تو ہندی اور اردو کے درمیان کسی طرح کا خطِ فاصل کھینچنا ممکن نہیں ہے کہ یہ ایک ہی طرح سے بولی جاتی ہیں۔فرق صرف یہ ہے کہ کوئی فارسی الفاظ زیادہ استعمال کرتا ہے اور کوئی سنسکرت الفاظ۔چونکہ عام آدمی صرف مشترکہ بول چال کی زبان استعمال کرتا ہے اس لیے مردم شماری کا عملہ خود اپنے تعصبات کے تحت کاغذات پر عام طور سے زبان کا تعین کر دیتا ہے''۔

ہندی کی ایک شکل جس میں سنسکرت الفاظ کی کثرت تھی،صدیوں تک ادب کی زبان رہی ہے۔یہاں تک کہ ملک محمد جائسی، عبدالرحیم خانِ خاناں اور یاری صاحب جیسے بعض مسلمان شعرا نے بھی اپنی کاوشوں سے اسے مالا مال کیا۔جب نئی تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا اور ہندو مصنفین نے ادب تخلیق کرنا شروع کیا تو قدرتی طور پر انھوں نے اسی زبان سے اور پھر سنسکرت سے استفادہ کیا۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی زبان کافی حد تک سنسکرت کے زیرِ اثر آ گئی۔یہی اس وقت کی ادبی ہندی تھی۔اسے گجرات،مہاراشٹر،بنگال اور سی پی میں آسانی سے سمجھ لیا جاتا تھا اور وہ لوگ بھی کسی حد تک سمجھ لیتے تھے جن کی مادری زبان کنڑ،تیلگو یا ملیالم تھی اور جو تھوڑی سی ہندی بھی جانتے تھے۔

جو ہندی مغل بادشاہوں کی فوج استعمال کرتی تھی وہ اردو کہی جانے لگی۔یہ ہندستانی یا ادبی ہندی سے قدرے مختلف تھی کیونکہ اس میں فارسی اصل کے الفاظ بڑی تعداد میں ہوتے تھے۔جدید دور میں جب مسلمان ادیب،ادب تخلیق کرنے لگے تو انھوں نے قدرتی طور پر فارسی اور عربی ادب کے سرچشمے سے فیضان حاصل کیا کہ وہاں تک ان کی رسائی بھی آسان تھی۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ادبی اردو فارسی آمیز ہو گئی اور ہندستانی اور ادبی ہندی سے دور ہوتی گئی۔یہ زبانِ اردو یوپی کے ہندوؤں اور مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ سمجھتا اور استعمال کرتا تھا نیز دوسرے صوبوں کے پڑھے لکھے مسلمان اسے جانتے تھے۔اس حلقے سے باہر کے لوگ جو ادبی ہندی یا ہندستانی آسانی سے سمجھ لیتے تھے،ان کے لیے اس زبان کا سمجھنا آسان نہ تھا۔

سنسکرت آمیز ادبی ہندی اور فارسی آمیز ادبی اردو کا ارتقا قدرتی طریقے سے ہوا تھا اور ابتدائی مرحلوں میں کسی طرح کی رقابت یا فرقہ

●انڈین نیشنل کانگریس نے قومی زبان کے موضوع پر جو اہم ترین دستاویز 1941ء میں شائع کی تھی قومی اردو کونسل اس کا اردو ترجمہ پہلی مرتبہ جلد ہی کتابی شکل میں شائع کرے گی۔ اس کتاب میں شامل ہمارے قومی رہ نماؤں کے تاریخی اہمیت کے مضامین ہر ماہ 'اردو دنیا' میں شائع کیے جارہے ہیں۔ اس ماہ کے ایم منشی کا مضمون شائع کیا جارہا ہے۔

پرستی کو دخل نہ تھا۔اس قدرتی ارتقا کو روکنا آسان بھی نہ تھا۔اگر کوئی ہندو شاعر کوئی عشقیہ گیت یا تاریخی رومان تخلیق کرتا تو ظاہر ہے وہ جے دیو، ویاس اور والمیکی کے کارناموں سے رجوع کرتا۔اسی طرح جب کوئی مسلمان ادب تخلیق کرتا تو عام حالات میں وہ سعدی یا حافظ کے علاوہ اور کس سے استفادہ کرسکتا تھا؟

یہ دونوں دھارے اس وقت تک آپس میں نہیں مل سکتے جب تک کہ یوپی کی سماجی رابطے کی زبان ہندستانی اتنی ترقی نہیں کر جاتی کہ ادب کی زبان بن سکے۔اگر ہندی اور اردو کے ادب پاروں کا ترجمہ کرایا جائے یا ایک دوسرے میں ڈھال لیا جائے تو اس مقصد میں کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔

انگریزوں کے آنے سے قبل ہندو ادیب فارسی الفاظ استعمال کرنے میں پس و پیش نہیں کرتے تھے۔اسی طرح مسلمان ادیب بھی سنسکرت الفاظ سے بدحظ نہیں ہوتے تھے۔بدقسمتی سے سیاسی اور مذہبی عدم اعتمادی ہمارے لیے ایک ایسی لعنت ثابت ہوئی کہ ہندو ادیبوں نے فارسی الفاظ سے پرہیز کرنا شروع کر دیا اور مسلمان ادیب سنسکرت الفاظ کو نظر انداز کرنے لگے۔اگر دونوں فرقوں کے ادیب یہ خیال کیے بغیر کہ کون سا لفظ کہاں سے آیا، بہترین الفاظ استعمال کریں تو سنسکرت آمیز ہندی اور فارسی آمیز اردو کی دوری کو ختم کیا جاسکتا ہے۔یہ سوال وسیع تر ہندو مسلم مسئلے کا ایک حصہ بن گیا ہے اور یہ اسی وقت حل ہوگا جب ہندو اور مسلمان سماجی اور تہذیبی سطح پر قریبی رابطوں کو فروغ دے کر ہم آہنگی قائم کریں گے۔

یوپی سے باہر مختلف صوبوں کے مسلمان مستعد قسم کی ہندستانی بولتے تھے۔حیدرآباد (دکن) میں یہ اردو کے قریب ہوئی اور مہاراشٹر میں کم و بیش یہی گجراتی اور مراٹھی تھی۔میں نے بیجاپور جیل میں اسی کے کنڑ روپ کا بھی مشاہدہ کیا۔ٹھیک اسی طرح جب مردوں اور عورتوں نے ہندستانی کو قومی زبان کے طور پر سیکھنا چاہا تو انھوں نے ہندی قواعد کے ڈھانچے میں اپنی مادری زبان کے سنسکرت آمیز عناصر جوڑ دیے۔

رسم خط کا مسئلہ

قومی زبان وضع کرنے کے لیے تمام تجربات کو ذہن میں رکھتے ہوئے یہ بات واضح ہوگئی کہ ہندستانی جو یوپی میں سماجی رابطے کا ذریعہ تھی بذات خود ایک زبان ہے۔یہ ایک زندہ مادری زبان تھی لیکن یہ پورے ملک کی زندہ زبان نہ تھی اور نہ ہو سکتی ہے۔

یوپی، پنجاب اور شمال مغربی صوبہ سرحد کے باہر قومی زبان وہ زبان تھی جس کا ماحول سنسکرت آمیز اور ڈھانچہ ہندی کا تھا۔لہٰذا ان صوبوں میں سماجی رابطہ اس زبان ہی کے ذریعے ممکن تھا۔ہمارے تخلیقی فن کے اظہار کا وسیلہ بھی یہی بن سکتی تھی۔لیکن چونکہ قوم پرستانہ طاقتیں زیادہ مستحکم ہو رہی ہیں، سائنسی ایجادات ہندستان کے مختلف خطوں کو ایک دوسرے کے قریب لا رہی ہیں، ملک کی تہذیب اور طرز زندگی میں یکسانیت پیدا ہو رہی ہے لہٰذا ایسی زبان ایک زندہ قومی زبان بننے کی اہل ہے۔لیکن یہ مادری زبان کا بدل کبھی نہیں بن سکتی اور نہ ایسا کسی کا کوئی ارادہ ہے۔جب یہ قومی زبان پورے ہندستان کی رابطے کی زبان بن جائے گی تو اس کا ذخیرۂ الفاظ بہت توانا اور جامع نوعیت کا ہو جائے گا۔یہ بہت سے یورپی الفاظ کو بھی جذب کر سکتی ہے۔شاید ادھر دہائیوں سے ہندستانیوں کے درمیان قریبی سماجی رابطوں کو فروغ حاصل ہو رہا ہے۔یہ تمام عناصر ہم آہنگ ہو جائیں گے اور ایک زندہ قومی زبان وجود میں آئے گی۔اس کے بعد اردو اور ہندی نیز سنسکرت اور فارسی کا تنازعہ بھی ختم ہو جائے گا۔

اس سلسلے میں رسم خط کا سوال بہت اہم ہے۔اگر ان تمام صوبوں کے لیے ہمارے پاس ایک رسم خط ہو، جہاں بنگلہ، ہندی، مراٹھی اور گجراتی زبانیں بولی جاتی ہیں تو ان صوبوں کے لوگ ان چاروں زبانوں کے ادب کو آسانی سے پڑھ سکیں گے۔دوسرے صوبوں کے وہ لوگ جو قومی زبان پڑھ سکتے ہیں، وہ بھی ان چیزوں کو سمجھ سکتے ہیں لیکن یہ رسم خط صرف دیوناگری ہی ہو سکتا ہے۔

اس مسئلے پر ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان جو اختلاف ہے اس پر غور کرنا بھی ضروری ہے۔یہ امید کرنا فضول ہے کہ مسلمان اردو رسم خط ترک کر کے دیوناگری لپی کو اپنالیں گے۔خود ہندوؤں کے درمیان بھی کوئی ایک رسم خط مشترک نہیں ہے۔تو پھر یہ کیوں کر ممکن ہے کہ تمام تعلیم یافتہ لوگوں کو دیوناگری اور اردو، دونوں رسم خط سکھائی جائیں؟اس کا عملی حل ایک ہی ہے کہ دیوناگری لپی کو وہ تمام لوگ اختیار کرلیں جو آسانی سے ایسا کر سکتے ہیں۔اس کے بعد ایک ہی سوال باقی رہ جائے گا کہ دیوناگری اور اردو کے درمیان اس بات

پر سمجھوتا ہو جائے کہ آیا دونوں رسم خط اختیاری ہوں گے یا پھر یہ کہ دونوں کے لیے رومن کو مشترکہ اسکرپٹ تسلیم کر لیا جائے۔ گجراتی حروفِ تہجی میں پانچ یا چھ حروف ایسے ہیں جن میں تھوڑی سی تبدیلی واقع ہوئی ہے لیکن اس پیچیدگی کو آسانی سے دور کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح بہت سے مراٹھی اور ہندی بولنے والے افراد بغیر کسی دشواری کے تمام حروف استعمال کرتے ہیں۔ اگر مختلف صوبوں کے لوگ چھوٹی چھوٹی تبدیلیوں کو تسلیم کر لیں تو اس سمت میں خاصی پیش رفت ہو سکتی ہے۔

1931ء کی مردم شماری کے مطابق، اعداد و شمار کے اعتبار سے ان مسائل کو یوں پیش کیا جاسکتا ہے:

(1) ہمارے وہ لوگ جو ہندستانی زبانیں استعمال کرتے ہیں۔	34,98,88,000
(2) (i) جو لوگ سنسکرت خاندان کی زبانیں بولتے ہیں۔	25,37,12,000
(ii) جن کی مادری زبان ہندستانی ہے۔	12,02,39,000
(iii) جو لوگ آسانی سے ہندی۔ ہندستانی سمجھ لیتے ہیں۔	11,00,00,000
(iv) جو لوگ ایسی زبانیں بولتے ہیں جو عام طور سے دیوناگری لپی میں لکھی جاتی ہیں۔	11,11,29,000
(v) جو لوگ ایسی زبانیں بولتے ہیں جو دیوناگری ہی کی کسی شکل میں لکھی جاتی ہیں۔	9,33,51,000
(3) جو لوگ غالب سنسکرت آمیز دراوڑی زبانیں بولتے ہیں۔	4,67,18,000
(4) جو ایسی دراوڑی زبانیں بولتے ہیں جن میں کچھ سنسکرت ملی ہوتی ہے۔	2,14,12,000

اب دوسرے نقطۂ نظر سے اسی بات کو یوں بھی پیش کیا جاسکتا ہے کہ ہندستان میں دس ہزار افراد میں سے:

(i) 9,982 افراد ہندستانی زبان بولتے ہیں۔

(ii) 7235 افراد سنسکرت خاندان کی زبانیں بولتے ہیں جن کا ذخیرۂ الفاظ اور ادب سنسکرت کے سانچے میں ڈھلا ہوا ہے۔

(iii) 4053 افراد ایسی زبانیں استعمال کرتے ہیں جو دیوناگری لپی میں لکھی جاتی ہیں۔

(iv) 2,662 افراد ایسی زبانیں استعمال کرتے ہیں جو دیوناگری کی کسی شکل میں لکھی جاتی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان ہر 10,000 افراد میں کے 6,715 افراد آسانی سے دیوناگری لپی اختیار کر سکتے ہیں۔

اب اس پس منظر میں صورت حال کو دیکھا جائے تو یہی سمجھ میں آتا ہے کہ ہندستانی ادبیات کی "دولتِ مشترکہ" کی بنیاد وہی عنصر ہو سکتا ہے جو سنسکرت خاندان کی تمام تر زبانوں اور ان دراوڑی زبانوں میں مشترک ہے جن میں سنسکرت کو بالادستی حاصل ہے اور جو ہندستانی کے ڈھانچے میں سموئی جا سکتی ہوں۔ اس زبان کے ذریعے تمام صوبوں کے، نیز اردو کے ادب کو ایک بین الصوبائی سطح پر باہم تبادلے کے لیے رکھا جاسکتا ہے اور ہر صوبائی نیز اردو ادب اپنی مرضی کے مطابق جتنا مواد چاہے اس سے حاصل کرے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہندستان کے ادب اور تہذیب میں ہم آہنگی پیدا ہو جائے گی۔ یہ کام ایک آل انڈیا "ساہتیہ پریشد" انجام دے سکتی ہے۔ دوسری طرف یوپی کی "ہندستانی" سے متعلق تنظیموں کے ذمے بنیادی کام یہ ہوگا کہ وہ اس ذخیرے سے اردو کے لیے مواد حاصل کریں اور اردو کے ادب پاروں کو اس ذخیرے میں منتقل کریں۔

لیکن تمام سرگرمیوں کو صوبائی "پریشدوں" سے کوئی سروکار نہیں رکھنا چاہیے۔ سماجی میل جول اور تخلیقی آرٹ صرف مادری زبان کے وسیلے سے پروان چڑھ سکتا ہے۔ دوسری زبانیں سوتیلی ماں جیسی ہوتی ہیں۔ ایک فنکار کے ذہن میں جو خیال پل رہا ہے اسے دوسری زبانیں جمالیاتی بصیرت نہیں عطا کر سکتیں۔ قومی زبان کی تشکیل اور ادبیات کی دولتِ مشترکہ کا قیام مختلف نوعیت کے کام ہیں اور ان کا تعلق بین صوبائی "نظام روابط" سے ہوگا۔ جبکہ تخلیقی آرٹ الگ چیز ہے کہ اس کے تحت ادب کی تخلیق عمل میں آتی ہے اور یہ کام صرف مادری زبان کے ذریعے انجام پاسکتا ہے۔ ادبی مبادلے کی سہولیات تخلیق کے لیے تحریک تو پیدا کر سکتی ہیں اور رابطے کی شدید ضرورت تخلیق کی سمت تو متعین کر سکتی ہے لیکن تخلیق کا اصل راز زمین کی

شادابی اور زرخیزی یعنی مادری زبان کی توانائی میں مضمر ہوتا ہے۔ جو اپنی زبان کی خدمت کرے گا وہی صحیح معنوں میں ادب کی دولتِ مشترکہ کو فیض پہنچا سکتا ہے اور جو کوئی قومی زبان اور ادب کی تعمیر میں اپنا تعاون پیش کرے گا وہ اپنی مادری زبان کی ترقی کو یقینی بنائے گا۔ ہندستان ایک قوم ہے اور یہ ہم آہنگی پیدا کرنے کے جذبے سے لبریز ہے۔ اس کے اہلِ قلم ایک زبان ایک رسم خط اور ایک ادب کا خواب دیکھتے رہے ہیں۔ یہ جذبہ ان کے دلوں میں آج جس شدت سے پیدا ہوا ہے اتنا پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ یہ صورت حال آج ملک کی ہر ادبی شخصیت کے پیشِ نظر ہے اور لامتناہی ترقی اور نمو کا تصور ہر دل میں موجزن ہے۔

میرا انگریزی میں لکھا ہوا مضمون بعنوان "ہندستان میں صوبائی ادب کی دولتِ مشترکہ" ملک کی ادبی شخصیتوں کے درمیان تقسیم کیا گیا۔ مضمون یوں شروع ہوتا ہے :

"حالیہ دنوں میں ہندستان کے ہر اس صوبے میں جس کی اپنی امتیازی زبان ہے، ادبی سطح پر بیداری کی لہر سی آئی ہوئی ہے۔ اس بیداری کے نتیجے میں ہر صوبے میں متعدد ادبی انجمنیں قائم ہوگئی ہیں جن کا سرپرست ایک وفاقی ادارہ ہے جسے متعلقہ زبان کے "ساہتیہ پریشد" کے نام سے جانا جاتا ہے لیکن عام طور سے یہ تنظیمیں الگ تھلگ صرف صوبائی پیمانے پر کام کر رہی ہیں"۔

لیکن اس وقت قوم پرستی کے جذبے کو بالادستی حاصل ہے اور مستقبل میں بھی یہی جذبہ حاوی رہے گا۔ تمام صوبائی کاوشیں جاری رہیں گی اور ان کا دائرۂ کار بڑھ کر عظیم تر قومی یکجہتی اور ادب کی دولتِ مشترکہ کے قیام سے متعلق سرگرمیوں کا احاطہ کرے گا۔ اور اگر ہندستانی کو ایک باقاعدہ قومی زبان کا درجہ حاصل کرنا ہے تو ایسا کرنا لازمی ہوگا۔ لیکن اس طرح کی دولتِ مشترکہ کو عملی جامہ پہنانے کا کام ہندی ہی کے توسط سے ممکن ہو سکے گا جس کے لیے تمام صوبوں کے اہلِ قلم مل جل کر مشترکہ طور پر کوشش کریں گے۔ جب اس مقصد میں ہم کامیاب ہو جائیں گے تو صوبائی ساہتیہ پریشدوں کا ایک وفاق قائم کریں گے جو درحقیقت آل انڈیا "ساہتیہ پریشد" ہوگا۔ یہ خیال میرے دل میں 1925 سے اس وقت سے پل رہا ہے جب میں گجراتی ساہتیہ پریشد سے پوری سرگرمی سے وابستہ ہوا۔

میری اس تجویز کا خاطر خواہ ردِّ عمل ہوا اور "ہنس" نام کا ماہانہ رسالہ مشہور ہندی ناول نگار منشی پریم چند کی اور میری مشترکہ ادارت میں شائع ہونا شروع ہوا۔ چونکہ اسے گاندھی جی کا آشیرواد حاصل تھا اور اس کے ساتھ ایک ہندی اور ایک گجراتی کے مصنف کا نام جڑا ہوا تھا اس لیے شروع ہی سے اسے کامیابی ملی۔

"ہنس" نے ایک بہت بڑے خلا کو پُر کیا۔ پہلی بار ہندستان کے مختلف علاقوں کے ادیب اس کے صفحات پر ایک ساتھ نظر آئے۔ لیکن ایک سال کی شاندار کارگزاری کے بعد اسے بند کرنا پڑا کیونکہ بنارس کے کلکٹر نے ہم سے ضمانت مانگی۔ خالص ادبی رسالہ بھی اتنا خطرناک تصور کیا گیا۔ گاندھی جی اس بات کے حق میں نہ تھے کہ ضمانت کی رقم کا بوجھ برداشت کیا جائے۔

کچھ دنوں بعد کاکا صاحب کالیلکر اور میں نے مل کر بھارتیہ ساہتیہ پریشد قائم کیا اور اس میں اپنے آپ کو مصروف کر لیا۔ اس کی تجویز میں نے اپنے میمورنڈم میں پیش کی تھی لیکن ملک اس طرح کی وفاقی ادبی انجمن کے قیام کے لیے تیار نہ تھا۔

چلڈرن بک ٹرسٹ کی کتابیں اردو میں

بچوں کے لیے خوبصورت سوغات

قومی اردو کونسل چلڈرن بک ٹرسٹ کی کتابوں کو اردو میں ترجمہ کرا کے اب تک 63 ٹائٹل شائع کر چکی ہے۔ اس سلسلے کی چند کتابیں یہ ہیں : (1) مچھلیاں اڑنے لگیں- قیمت -/12 روپے (2) پتھروں کے دل- قیمت -/12 روپے (3) کچھ ہندوستانی چڑیاں- قیمت -/32 روپے (4) یاد کیجیے ہمارے رہنما (7 جلدوں میں) قیمت فی جلد -/35 روپے (5) ہاتھی اور پانی کی ٹنکیاں- قیمت -/15 روپے (6) پانی کا جہاز اور اسکی تکنیک- قیمت -/12 روپے (7) سنو کہانی- قیمت -/30 روپے

کتب فروش حضرات کو حسبِ ضوابط کمیشن دیا جائے گا۔

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

ویسٹ بلاک۔ 1، ونگ۔ 6، آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی۔ 110066

گوپی چند نارنگ

کالی داس گپتا رضا مرحوم
تم جیسے گئے ایسے تو جاتا نہیں کوئی

افسوس ع جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں۔ کالی داس گپتا رضا کے اچانک انتقال کی خبر جس نے بھی سنی سکتے میں آگیا۔ وہ پوری طرح چاق و چوبند تھے۔ شب و روز کام میں ڈوبے ہوئے تھے۔ غالبیات میں انھوں نے ایک کے بعد ایک کتابوں کا جو تانتا باندھ دیا اور جو نام پیدا کیا وہ کسی کے لیے بھی باعثِ فخر ہو سکتا ہے۔ غالب شناسی سے گہری علمی کمٹ منٹ کی وجہ سے ہندستان پاکستان دونوں ملکوں میں وہ بہت احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ جناب جمیل الدین عالی اور جناب مشفق خواجہ نے انجمن ترقی اردو پاکستان کی جانب سے ان کو کھلی پیش کش کی تھی کہ غالب پر وہ جو کچھ بھی لکھیں گے انجمن اسے چھاپے گی۔ غلام رسول مہر، امتیاز علی عرشی، قاضی عبدالودود اور مالک رام کے بعد کالی داس گپتا رضا غالبیات کا سب سے معتبر نام سمجھے جاتے تھے۔ وہ شاعر بھی تھے اور محقق بھی۔ ان کے شعری مجموعوں کی تعداد ایک درجن سے کم نہیں۔ تحقیق اگرچہ توجہ تخلیق ہی پر کرتی ہے اور سارا معاملہ شعر و ادب ہی کا ہے، تاہم تخلیق میں تو ایک مصرعے سے بھی مغفرت ہو سکتی ہے لیکن علمی کام میں پوری کی پوری عمر کھپ جاتی ہے تب کہیں جا کر پایۂ اعتبار حاصل ہوتا ہے۔ کالی داس گپتا رضا ہر چند کہ پچاس، ساٹھ کتابوں کے مصنف و مؤلف تھے، علمی دنیا میں انھیں وقار و اعتبار ساٹھ برس کی عمر کے بعد حاصل ہونا شروع ہوا یعنی 1988ء میں جب انھوں نے اپنی عمر بھر کی تحقیقاتِ علمیہ پر مبنی 'دیوانِ غالب کامل' شائع کیا۔ اگلے سال ہی 1989ء میں انھیں غالب انسٹی ٹیوٹ کا غالب ایوارڈ دیا گیا۔ مہاراشٹر اردو اکیڈمی کا سراج اورنگ آبادی ایوارڈ (1997ء) میں ملا۔ دہلی اردو اکیڈمی کا بہادر شاہ ظفر ایوارڈ (1996ء) اور ابھی دو برس پہلے 1999ء میں دوحہ (قطر) کا عالمی فروغِ اردو ادب ایوارڈ میری تجویز پر دیے گئے۔ یہ حقیقت ہے کہ ساٹھ ستر برس کی سعی و جستجو کے بعد اب کہیں ان کی زندگی میں بار آنے لگا تھا اور ان کی قدر افزائی ہونے لگی تھی کہ اچانک بلاوا آگیا۔ ان کا پدم شری ہونا برحق تھا اور مارچ 25 کو وہ راشٹر پتی بھون اپنا ایوارڈ لینے جانے والے تھے۔ اشوک ہوٹل میں قیام تھا۔ وہیں صبح کو ناشتے کے بعد سینے کے پچھلی طرف شدید درد اٹھا۔ چونکہ کوئی عارضہ تھا ہی نہیں، کسی کا خیال قلب کی طرف نہیں گیا۔ ہومیوپیتھی کا علاج خود کرتے تھے۔ دوا لی جو بے اثر گئی۔ اشوک ہوٹل کے ڈاکٹر کو بلایا گیا۔ اس نے انجائنا تشخیص کیا۔ اپنی دوا پر بھروسا بھی عجیب چیز ہے، دوسری دوا جمناپار اپنے بڑے بھائی کے یہاں سے منگوائی۔ اسی دوران درد نے مزید شدت اختیار کی تو شام تک اسکارٹس اسپتال لے جائے گئے۔ وہاں معائنہ کی کارروائی مکمل کرتے کرتے رات ہو گئی۔ اسی دوران پے بہ پے قلب پر حملہ ہوا۔ نصب شب کے بعد ہنگامی آپریشن کی تیاری کی جا رہی تھی کہ عالمِ بے ہوشی میں جان، جان آفریں کے سپرد کر دی۔ یوں غالبیات کے افق پر ایک روشن ستارہ ٹوٹا اور یادِ رفتگاں کے غبار میں ہمیشہ کے لیے گم ہو گیا۔

رہنے کو سدا دہر میں آتا نہیں کوئی
تم جیسے گئے ایسے تو جاتا نہیں کوئی

کالی داس گپتا رضا سے میرے روابط بہت دیر میں پیدا ہوئے۔ یوں شناسائی تو اُن سے تقریباً پینتالیس برس سے تھی۔ جس زمانے میں میں دہلی یونیورسٹی میں ڈاکٹریٹ کر رہا تھا کالی داس گپتا رضا مشرقی افریقہ میں تھے۔ اُن کا تعلق پنجاب کے ایک اگروال گھرانے سے تھا (پیدائش 25/اگست 1925، مکند پور، تحصیل نواں شہر، ضلع جالندھر)۔ ادیب فاضل، منشی فاضل کر کے مشرقی افریقہ چلے گئے تھے جہاں اُن کے اقربا کاروبار کرتے تھے۔ سینئر کیمبرج کا امتحان انھوں نے یہیں سے دیا، وکالت کا ارادہ تھا لیکن اُسے ادھورا چھوڑ دیا۔ اردو کا چسکا پنجاب ہی سے اپنی جان کے ساتھ لگا لائے تھے، جوش ملسیانی کے شاگرد تھے جن کا شمار حلقۂ داغ کے نامی گرامی اساتذہ میں ہوتا تھا۔ شاعری گھٹی میں پڑی ہو تو پھر چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی پانچویں دہائی کے آخری برسوں کا زمانہ تھا کہ مشرقی افریقہ سے ان کی دو انگریزی کتابیں آئیں۔ میں دہلی یونی ورسٹی آتے جاتے ہوئے اولڈ سکریٹریٹ میں گاہے ماہے آجکل کے دفتر میں رُکا کرتا تھا۔ جوش ملیح آبادی پاکستان جا چکے تھے۔ عرش ملسیانی ان کی مسند پر متمکن تھے۔ انھیں کی میز پر رضا صاحب کی کتابوں کو دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ ایک اور

کتاب 'ہندستانی مشرقی افریقہ میں' بھی اسی زمانے میں منظر عام پر آئی۔ یوں کالی داس گپتار ضاعلم وادب کی دنیا میں داخل ہوئے۔

کچھ مدت کے بعد انھوں نے مشرقی افریقہ کو خیر باد کہا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب بہت سے ہندستانیوں نے وہاں کی سکونت ترک کی، کچھ لندن کی طرف نکل گئے، کچھ ہندستان کے اطراف میں پھیل گئے۔ کالی داس گپتار ضا بمبئی میں آکر جم گئے۔ شروع میں شعری مجموعوں نے زور باندھا۔ ایک دو بار میری ان کی ملاقات مالک رام کے یہاں ہوئی۔ پھر کبھی کبھار ان کے خط آنے لگے۔ دہلی کے افسانہ نگار بلراج ورما اور شکتی ورما ان دنوں 'تناظر' نکالا کرتے تھے جس کا ایک بسیط نمبر عتیق اللہ تابش نے مرتب کیا تھا۔ اُس زمانے میں کالی داس گپتار ضا کی متعدد علمی و تحقیقی تصانیف شائع ہو چکی تھیں۔ اُن کی رباعیوں کا مجموعہ 'شعاع جاوید' ادارۂ تناظر سے زیر اشاعت تھا۔ رضا صاحب کی خواہش تھی کہ کتاب میرے مقدمے کے ساتھ شائع ہو۔ بلراج ورما کے تقاضے اپنی جگہ، ڈاکٹر گیان چند جین نے بھی اصرار کیا تو میں نے رباعیاں پڑھیں، اچھی لگیں۔ ان کے علمی کام سے شناسائی تو تھی ہی شاعری کا سکہ بھی چل گیا۔ لیکن سچی بات ہے کہ جو لوگ علمی، تنقیدی، تحقیقی میدان میں نام پیدا کر لیتے ہیں اور جن کا اصل میلان علمی کام کی طرف ہوتا ہے، وہ لاکھ قادرالکلام ہوں یا عروض و بدیع وبیان کے ماہر ہوں اُن کی شاعری کی طرف بالعموم کوئی آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔ اس کی مثالیں ایک نہیں کئی ہیں۔ ہر چند کہ بہت سے علما کو ہمیشہ یہ زعم رہا ہے کہ وہ جید شاعر ہیں لیکن زمانے نے اُن کی شاعری کو ہمیشہ واجبی ہی سمجھا۔ کالی داس گپتار ضا اس کلیے سے مستثنا نہیں تھے۔

کالی داس گپتار ضا کا اصل کارنامہ غالبیات اور متعلقاتِ غالب ہے۔ یوں تو انھوں نے اپنے استاد جوش ملسیانی کا بھی حق ادا کیا، اُن کے منثورات و مکتوبات کو بھی چھاپا، انتخابِ کلام بھی اور اُن کے کتابچے 'اقبال کی خامیاں' کو بھی اپنے مقدمے کے ساتھ از سر نو شائع کیا، نیز کلیاتِ چکبست، مقالاتِ چکبست اور باقیاتِ چکبست پر بھی توجہ کی۔ انھوں نے داغ و فراق پر بھی خاصا کام کیا تھا، اور اس وقت وہ قومی اردو کونسل کے لیے کلیاتِ فراق کو کئی جلدوں میں مرتب کر رہے تھے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ غالبیات پر انھوں نے جو کام کیا، اعلیٰ درجے کی جو کتابیں شائع کیں اور زندگی بھر کی انتھک محنت اور تلاش و جستجو سے انھوں نے غالبیات کا جو نادر خزینہ اپنے ذاتی ذخیرے کے طور پر جمع کیا، اس کی وجہ سے اُن کا نام اردو کے صفِ اوّل کے محققوں میں ہمیشہ احترام سے لیا جائے گا۔ غالب پر انھوں نے کم و بیش اٹھارہ کتابیں شائع کیں جن میں دیوانِ غالب کی اُن اشاعتوں کے عکسی ایڈیشن بھی ہیں جو غالب کی زندگی میں منظر عام پر آئے تھے لیکن اُن کا سب سے بڑا کارنامہ 'دیوانِ غالب کامل' کی اشاعت ہے جس میں انھوں نے امتیاز علی خاں عرشی کے کام کو آگے بڑھاتے ہوئے غالب کے اردو کلام کو تمام و کمال تاریخی ترتیب سے مرتب کر دیا ہے۔ غالب کے متداول دیوان میں تقریباً اٹھارہ سو اشعار ہیں۔ نسخۂ رضا میں نسخۂ بھوپال قدیم، نسخۂ حمیدیہ، نسخۂ شیرانی، گلِ رعنا اور دوسرے تمام اہم قلمی نسخوں نیز غالب کی زندگی میں چھپے دیوانِ غالب کے پانچوں ایڈیشنوں کو ملا کر غالب کے اردو اشعار کی تعداد چار ہزار دو سو چھبیس تک پہنچا دی ہے۔ نسخۂ رضا کی مدد سے حتمی طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ غالب کا کون سا شعر کس زمانے میں کہا گیا اور اس کی مدد سے غالب کے بارے میں بہت سی غلط فہمیوں کا بھی ازالہ ہو جاتا ہے اور بہت سے من گھڑت قصوں اور افسانہ وافسوں کا بھی جو غالب کے شارحین اور ناقدین نے اپنی سہولت کے لیے تراش لیے تھے۔ غالبیات کی دنیا میں یہ اس نوع کا کام ہے جس سے اس راہ میں قدم رکھنے والا کوئی بھی محقق صرف نظر نہ کر سکے گا۔

جامعہ ملیہ کے ہندو پاک اردو افسانہ سیمینار کے بعد اپریل 1980 میں جب میں انتظار حسین کے ساتھ بمبئی کے سفر پہ نکلا تھا، کالی داس گپتار ضا کے گھر پر بھی دعوت کا پروگرام تھا۔ انتظار حسین نے ملتے ہی کہا ''ویسے تو کالی داس میں گپتا بھی زائد ہے مگر رضا آپ کس خوشی میں ہیں؟'' کالی داس نے جواب میں اپنے نوحوں اور سلاموں کا مجموعہ ''شعورِ غم'' اُن کے ہاتھ میں تھما دیا! علمیت کے ساتھ ساتھ وہ رواداری، تہذیب و شرافت کا بھی مرقع تھے، ایک سچے کھرے انسان، غم گساری، دردمندی، صدق و صفا، اخلاق و انکسار کا پیکرِ جمیل۔ پچھلے دنوں ایک کے بعد ایک کیسی کیسی شخصیات ہمارے بیچ سے اُٹھ گئیں، علی سردار جعفری، مجروح سلطانپوری اور اب کالی داس گپتار ضا۔ اردو اپنے تموّل کے باوجود پہلے ہی غریب ہے، ان ہستیوں کے اُٹھ جانے کے بعد اب غریب تر ہے۔ اب تو قد بھی چھوٹے ہو گئے ہیں، شخصیتیں اس سے بھی چھوٹی۔ کیا کیا جا سکتا ہے، آنے والوں پر کیا ذمہ داری ہے کوئی تو سوچتا ہوگا۔ دیکھیے رضا نے انسان کی کیا تصویر پیش کی ہے:

دو لمحے کی روشنی میں ڈھل جاؤں گا
شدت کی تپش ہوگی پگھل جاؤں گا
روشن نہ کوئی شمع کہیں کر دنیا
ہر رنگ میں، میں آپ ہوں، جل جاؤں گا

D-252, Sarvodya Enclave, Delhi-110017

کالی داس گپتا رضا ایک نظر میں

پیدائش : 25/ اگست 1925
مکند پور، تحصیل نواں شہر، ضلع جالندھر

تعلیم : اردو میں ادیب فاضل
فارسی میں منشی فاضل
سینئر کیمبرج
اکاؤنٹس میں لندن چیمبر آف کامرس اینڈ رائل سوسائٹی آف آرٹس آرگنائزیشن

ادبی خدمات : نثری اور شعری 80 تصنیفات جن میں سے 60 شائع ہوئی ہیں۔ 200 سے زیادہ تبصرے اور 250 سے زیادہ مضامین شائع ہوئے۔ بمبئی یونی ورسٹی اور ناگپور یونی ورسٹی کے بورڈ آف اسٹڈیز کے رکن رہے۔ مہاراشٹر اردو اکادمی کے رکن رہے۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے رکن رہے۔

ادبی ایوارڈ : آل انڈیا غالب ایوارڈ 1989
آل انڈیا بہادر شاہ ظفر ایوارڈ 1996
مہاراشٹر اسٹیٹ اردو ایوارڈ
(سراج اورنگ آبادی ایوارڈ) 1997
عالمی فروغ اردو ایوارڈ، دوحہ قطر 1999
ساہتیہ شرومنی ایوارڈ حکومتِ پنجاب 2001
پدم شری، حکومتِ ہند 2001

شعری مجموعے : شعلۂ خاموش، شورشِ پنہاں، شاخِ گل، اجالے، گیت اور بھجن، شورِ غم، شعاعِ جاوید، غزل گلاب، نظم سمندر، احترام، ابھی ناؤ نہ باندھو

ہندی : آسماں اکیلا

انگریزی : The Silent Flame
Ode to East Wind

نثری کتابیں : غالبیات پر 22 کتابیں شائع ہوئی ہیں جن میں دیوانِ غالب کامل (تاریخی ترتیب سے) کی تدوین ان کا سب سے اہم کارنامہ ہے۔

چکبست کے حوالے سے 4 اور جوش ملسیانی پر 4 کتب شائع ہوئیں۔ ان کے علاوہ تحقیقی، تنقیدی، سوانحی موضوعات پر 17 کتابیں شائع ہوئی ہیں۔ رضا صاحب کی حیات و خدمات کے حوالے سے بہت سے مضامین، رسائل و جرائد کے خصوصی گوشے اور کئی پی ایچ ڈی کے مقالے بھی شائع ہوئے ہیں۔
کالی داس گپتا رضا کی لائبریری میں غالبیات پر 2500 سے زائد کتابیں موجود ہیں۔

آسان اور عام فہم زبان میں طلبہ کے لیے

ڈپلوما کمپیوٹر اپلی کیشن اور ملٹی لنگول ڈی ٹی پی

قیمت: -/32 روپے

ناشر: ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
ویسٹ بلاک-1، آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی-110066

دیوناگری اور تصویروں کی مدد سے اردو سکھانے والی کتاب

اردو تصویری لغت مع ہندی

چیف ایڈیٹر : فہمیدہ بیگم

صفحات: 252 قیمت: -/30 روپے

ناشر: ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
ویسٹ بلاک-1، آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی 110066

ابوالفیض سحر

کالی داس گپتا رضا۔ خوشبو کا سفر

ممتاز ماہر غالبیات اور اردو کے نامور محقق کالی داس گپتا رضا 20 مارچ 2001ء کو راشٹرپتی بھون میں اعزازات کی تقریب میں شریک ہونے اور اپنا پدم شری کا اعزاز حاصل کرنے کے لیے دہلی آئے مگر افسوس کہ جس ہوٹل میں قیام کیا اسی ہوٹل میں ان پر دل کا شدید دورہ پڑا اور وہ جاں بحق ہو گئے۔

کالی داس گپتا رضا 25 اگست 1925ء کو مکند پور ضلع جالندھر ریاستِ پنجاب میں پیدا ہوئے تھے۔ ابتدائی عمر سے ہی انھیں شعر کہنے کا شوق تھا۔ وہ جوش ملسیانی سے مشورۂ سخن کیا کرتے تھے۔ کاروبار کے سلسلے میں برسوں جنوبی افریقہ میں مقیم رہے۔ منشی فاضل، سینئر کیمبرج اور پھر بیرسٹری وغیرہ کے امتحانات انھوں نے اسی زمانے میں پاس کیے۔ ہندستان لوٹ آنے کے بعد ممبئی کو اپنا مستقر بنایا۔ رفتہ رفتہ شعر و سخن کے ساتھ ساتھ تحقیق و تنقید کو اپنی ریاضتوں کا خصوصی میدان بنا لیا۔ ان کی کئی نثری تصانیف اور آٹھ شعری مجموعے ہیں۔ غالبیات پر وقیع کام کے علاوہ انھوں نے چکبست اور جوش ملسیانی پر بھی خصوصی تحقیقی کام کیا ہے۔ وہ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے لیے فراق گورکھپوری کی کلیات مرتب کر رہے تھے۔ غالبیات میں ان کا سب سے بڑا کارنامہ 'دیوانِ غالب کامل' کی تاریخ وار ترتیب و تدوین ہے۔ اسی دیوان کی وجہ سے غالب کے ساتھ رضا صاحب کا نام بھی تاریخ اردو ادب میں ہمیشہ زندہ رہے گا۔ اسی پر 1987 میں ان کو غالب انعام برائے اردو نثر پیش کیا گیا۔ دو برس پہلے مجلسِ فروغِ اردو قطر کی جانب سے ان کو ادبی اعزاز و ایوارڈ دیا گیا۔ حکومتِ ہند کی طرف سے بھی ان کی ادبی خدمات کے پیشِ نظر پدم شری کے اعزاز کا اعلان کیا گیا تھا۔ جناب مالک رام، مولانا امتیاز علی خاں عرشی اور مولانا غلام رسول مہر جیسے بلند مرتبت ماہرین کے بعد جن چند محققین نے غالبیات کے میدان میں اپنا مقام بنایا ان میں کالی داس گپتا رضا کا نام بہت نمایاں ہے۔

''ناظر'' کے ایڈیٹر اور اردو کے مشہور کہانی کار بلراج ورما نے کالی داس گپتا رضا کی حیات اور ان کے کارناموں سے متعلق ایک خاص نمبر شائع کر کے ایک بہت بڑا کام کیا ہے۔ اس کے ابتدائی حصے 'قلبِ شکستہ'' میں ایک جگہ لکھتے ہیں :

''رضا ہندو ہیں، مذہب اور خدا کے تصور کے پورے طور پر قائل ہیں مگر اپنے مذہبی عقیدوں پر پابند رہتے ہوئے بھی انھوں نے اپنے دنیاوی تعلقات میں مذہب کو کبھی مخل نہیں ہونے دیا۔ خلوص اور خدا کے بندوں سے پیار کو وہ ہر مذہب اور ہر عقیدے پر ترجیح دیتے ہیں اور ہمیشہ اس مسلک پر قائم رہتے ہیں کہ انسانیت کا درس خدائی سے بھی بڑا ہے۔ رضا کا حلقہ احباب بہت مختصر ہے مگر اس میں ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی، پارسی سب ہی نقطہ نظر کے لوگ شامل ہیں۔ ترقی اور جدت پسندی اور کلاسیکی روایات کے علمبردار بھی۔ انھوں نے اپنے ذہن کی کھڑکیوں کو ہر طرف سے کھلا اور کشادہ رکھا ہے تاکہ ہر قسم کے خیالات اور افکار کی ہوائیں آزادانہ طور پر اپنا آنا جانا جاری رکھیں۔''

یہ یقیناً اردو زبان و ادب ہی کی دین ہے۔ میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر کالی داس گپتا رضا اردو تہذیب کے پروردہ نہ ہوتے تو ان کا مسلک اتنا وسیع و کشادہ نہ ہوتا۔ روشنی سے ہی روشنی پھوٹتی ہے، خوشبو سے ہی خوشبو مہکتی ہے۔

گپتا صاحب کی شریکِ حیات ہیں ساوتری جی۔ ان سے زیادہ گپتا صاحب کو اور کون جان سکتا ہے، پہچان سکتا ہے۔ ساوتری جی کے الفاظ ہیں: ''گپتا جی نے مجھ سے اور میرے بچوں سے بھی زیادہ، انڈیا اور اردو سے پیار کیا ہے۔'' اردو نے بھی انڈیا سے بہت زیادہ پیار کیا ہے، کہتی ہے:

خاکِ وطن کا مجھ کو ہر ذرّہ دیوتا ہے

پھر افریقہ کے حوالے سے ساوتری جی آگے کہتی ہیں :

''کہا کرتے تھے کہ جی چاہتا ہے کہ انڈیا جا کر اردو کی بہت خدمت کروں۔ میں کہتی کہ کیا یہاں کم خدمت کی ہے۔ جنگل میں منگل کر دیا ہے۔ اتنے لوگوں کو اردو سکھائی، اتنے شاعر بنا دیے۔ مشاعروں کی دھوم دھام گجراتیوں تک میں پھیل گئی ہے۔ مگر یہ کہاں مانتے۔ آخر

انڈیا آہی گئے۔ یہاں آکر پہلے تو بہت جھنجھلائے۔ پھر بزنس اور اردو میں مست ہوگئے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ بزنس میں کم اردو میں زیادہ۔"

کالی داس گپتا رضا نے اردو سے اپنے عشق کا ذکر بزبانِ شعر خود یوں کیا ہے۔

تجھ سے میں اے حسینہ اردو
لوگ کہتے ہیں پیار کرتا ہوں
پیار ہی تجھ سے میں نہیں کرتا
جان تجھ پر نثار کرتا ہوں

کالی داس گپتا رضا محض ایک شخص، ایک ذات ایک فرد کا نام نہیں یہ ایک انجمن ہے، ایک ادارہ ہے، ایک تحریک ہے جس کے پرچم پر اردو رخشندہ ہے۔ میں ڈاکٹر آدم شیخ کے الفاظ مستعار لیتا ہوں۔ وہ کہتے ہیں۔

"کائنات کی ہر شے تقسیم ہوتی ہے۔ کل سے اجزا پیدا ہوتے ہیں اور اجزا کل کو وجود میں لاتے ہیں۔ عملِ ثنویت (Dualism) کی یہ معجزہ نمائی رضا صاحب کی شخصیت اور فکر و فن میں جاری و ساری ہے۔ ایک رضا کئی خانوں میں بٹ جاتا ہے۔ کہیں وہ شاعر ہے اور کہیں نقاد، کہیں سفرنامے لکھتا ہے اور کبھی خاکے ترتیب دیتا ہے۔ کبھی خطوط کو سلیقے سے سجاتا ہے اور کبھی کسی شاعر کے دیوان کو مرتب کرتا ہے۔ گویا ایک ہی ذات شاعر بھی ہے اور نقاد بھی، مسافر بھی اور راہ بھی، مرتب بھی ہے اور محقق بھی اور ان تمام پہلوؤں کا ارتکاز، رضا صاحب ہی کی بھرپور شخصیت میں ہوتا ہے۔"

کالی داس گپتا رضا اگرچہ ایک ساہوکار گھرانے میں پیدا ہوئے مگر انھیں علم و ادب کے خزانوں کی طرف بھی آنا تھا۔ اپنے فطری رجحان کی بدولت 1940ء میں 15 سال کی عمر سے ہی شاعری شروع کی۔ جارج پنجم کی وفات پر اسکول میں مرثیہ کہہ کر حوصلہ پایا۔ 1946 میں جوش ملسیانی جیسے استاذِ سخن سے مشورہ شروع کیا۔ پہلی غزل جو مکمل کہی اس کا پہلا شعر یہ تھا۔

کہتا ہے مجھے دل سے بیمار خدا حافظ
اے پیار خدا حافظ اے یار خدا حافظ

اب تک جو چھے دیوان شائع ہو چکے ہیں ان کی تفصیل یوں ہے:

(1) شعلۂ خاموش (1968ء) (2) شورشِ پنہاں (1970ء) (3) شاخِ گل (1974ء) (4) جالے (1975ء) (5) شعورِ غم (1981ء) (6) شعاعِ جاوید (1981ء)

ان کے علاوہ اہم نثری تصانیف اس طرح ہیں: (1) دی سائیلنٹ فلیم (2) مکتوباتِ جوش ملسیانی بنام رضا (3) منشوراتِ جوش ملسیانی (4) دعائے صباح (5) ہندستانی مشرقی افریقہ میں (6) متعلقاتِ غالب (7) چکبست اور باقیاتِ چکبست (8) سہو و سراغ (9) انتخابِ آتش و غالب از چکبست (10) کلیاتِ چکبست (11) غالبیات: چند عنوانات (12) مثالاتِ چکبست (13) دیوانِ غالب کامل۔

یوں تو کالی داس گپتا رضا کا پہلا شوق شاعری ہی تھا مگر تفہیم اور تفکر کی اونچی ہوتی ہوئی لے نے انھیں تنقید بلکہ تنقید سے زیادہ تحقیق کی منزلوں سے روشناس کروایا اور پھر وہ اس راستے پر بہت دور تک نکل گئے بلکہ خود بھی ایک سنگِ میل بن گئے۔

رضا کہنے کو تو غزل کے شاعر ہیں مگر ان کے فن اور ندرتِ کلام کا بہتر اظہار نظم کے وسیلوں سے ہوتا ہے خواہ وہ کسی ہیئت میں ہوں۔ وہ خیال کی مناسبت سے بحر اور بحر کی مناسبت سے فنی لوازم، استعارے، تلمیحات اور علائم اس مہارت اور خوبصورتی سے استعمال کرتے ہیں کہ ایک خاص تاثر کے ساتھ ایک خاص فضا پیدا ہو جاتی ہے جسے ہم نئی اشاریت یا نئی پیکر تراشی کا نام دے سکتے ہیں۔ نظم "زندگی کے صحرا میں" سے ایک بند:

آج پھر اکیلا ہی
زندگی کے صحرا میں
پھول چن رہا ہوں
دستِ بے نوائی سے
خام آرزوؤں کا
جال بن رہا ہوں

ایک اور نظم کا ٹکڑا دیکھیے:

کھلنے کی آرزو کیا
گلزار رنگ و بو کیا
میں کیا ہوں اور تو کیا
اے زندگی بتادے

نظم "رفیقو اٹھو" میں رضا صاحب نے اقبال کے انداز میں اردو کی آواز میں آواز ملا کر اسے اور بلند کرنے کی سعی کی ہے :

رفیقو اٹھو، غم و رنج کو فنا کر دو
امید و بیم کا نقارہ بے صدا کر دو
اتار پھینکو روایت کا بوجھ کندھوں سے
سبک روی سے زمانے کو آشنا کر دو
شہید جو ہوئے آزادیٔ وطن کے لیے
تم ان کی خاک کو پوجا سے دیوتا کر دو

رضا کے احاطۂ شعر کی منظوم وسعتوں اور گہرائیوں میں جانے کا موقع نہیں ہے مگر اتنا ضرور عرض کروں گا کہ انھیں عرفانِ ذات اور عرفانِ کائنات کا کماحقہٗ درک حاصل تھا جیسا کہ ان کی چند اہم نظموں کے موضوعات اور اندازِ بیان سے واضح ہوتا ہے۔ "دیپ مالا" شری رام چندر جی کو بہترین خراجِ عقیدت ہے۔ "کرشن کنہیا" کرشن جی سے ان کی والہانہ وارفتگی کا ثبوت ہے۔ "ترکِ دنیا کیوں" ایک اثر انگیز نظم ہے جس کا مرکزی خیال انھوں نے سنت گیانیشور کی شہرۂ آفاق شرح "گیتا گیانیشوری" سے اخذ کیا ہے۔ "امرت منتھن" ہندو دیومالا کی اساطیری فہم کو اجاگر کرتی ہے۔ "بھگوان بدھ کا تیاگ" کالی داس گپتا رضا کی ناقابلِ فراموش نظموں میں سے ہے جس میں انھوں نے مہاتما بدھ کے عدیم النظیر ایثارِ نفسی اور عملی قربانی کو خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔ ان سب کا نچوڑ یہی ہے کہ عمل کو رضا صاحب اقبال ہی کی طرح زندگی کا مرکز و محور تصور کرتے ہیں کہ عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی۔ چنانچہ انھوں نے اپنی زندگی میں بہترین عمل سے اس فکر و خیال کو اپنا فلسفۂ حیات بنایا اور زندگی بھر اس پر عمل پیرا رہے۔

کالی داس گپتا رضا نے رباعیات بھی خوب کہی ہیں۔ اس تعلق سے پروفیسر گوپی چند نارنگ نے کہا ہے کہ ان رباعیوں میں سوچنے والا ذہن ملتا ہے اور حقائق کو سمجھنے والی نظر ملتی ہے اور ساتھ ہی ایک ایسا فلسفۂ حیات بھی جو کہ ذاتی بصیرت اور فکر و تلاش و جستجو کو دین ہے۔ ایک دو نمونے ملاحظہ ہوں۔

بندہ ہوتا ہے یا خدا ہوتا ہے
کیا جانیے بندگی میں کیا ہوتا ہے
اک نہر سی رہتی ہے رواں آنکھوں سے
سینے میں درد سا بھرا ہوتا ہے

گھونگھٹ رخِ وقت سے الٹ اے دنیا
خانوں میں من و تو کے نہ بٹ اے دنیا
جس میں نہ تھا امتیازِ پست و بالا
اس روح کی سمت پھر پلٹ اے دنیا

ہو آنکھ تو خوبیاں عیاں ہوتی ہیں
پانی ہو تو کشتیاں رواں ہوتی ہیں
برکھا سے نکھرتا ہے گلستاں کا رنگ
انصاف سے اقوام جواں ہوتی ہیں

اس باب کی گفتگو کو شمس الرحمان فاروقی کی بات سے مکمل کرنا چاہوں گا۔ وہ کہتے ہیں:

"یوں تو عشقیہ جذبات یا مناظرِ فطرت کی عکاسی یا زندگی کے روزمرہ معاملات کی تصویر کشی پر مبنی رباعیات بھی کہی گئی ہیں اور ایسی رباعیاں بھی کم نہیں ہیں جن میں خود کلامی کی کیفیت ملتی ہے لیکن رباعی اپنا بہترین اظہار شاید اسی وقت حاصل کرتی ہے جب اس میں حیات و کائنات کے بنیادی مسائل انسان اور دنیا کے رشتوں یا انسان اور غیر انسانی ذہن کے تصادم کی داستان بیان کی جائے۔ کالی داس گپتا رضا کی رباعیاں بیشتر تفکری رنگ کی حامل ہیں لیکن ان کی فکری سرگرمیاں خطابت کا رنگ لے کر رباعی میں نمایاں ہوتی ہیں۔ ہر چند کہ یہ وہ خطابت نہیں جو واعظ یا سیاست داں کو زیب دیتی ہے لیکن یہ ضرور محسوس ہوتا ہے کہ شاعر عام انسانی سطح سے کچھ بلند ہو کر عام شاعرانہ آواز سے کچھ اونچی آواز میں گفتگو کر رہا ہے۔"

کالی داس گپتا رضا نے جتنی اچھی اور فکر انگیز رباعیاں کہی ہیں اتنے ہی عمدہ اور خیال آفریں قطعات بھی کہے ہیں۔ چند مثالیں۔

جب میں آتی ہوں جسمِ خاکی میں
زندگی میرا نام ہوتا ہے
مجھ سے لیتے ہیں کام جینے کا
مجھ کو مرنے سے کام ہوتا ہے

جب کوئی کام پورا کرنے کی
خواہش باطنی نہیں رہتی
مدعا مدعا نہیں رہتا
زندگی زندگی نہیں رہتی

زندگی بیچ کا ٹکڑا ہے اس افسانے کا
جس کا انجام نہیں ہے، کوئی آغاز نہیں
کہکشاں چاند ستارے ہیں مرے نقشِ قدم
کون کہتا ہے فلک تک مری پرواز نہیں

رضا صاحب نے اپنے فطری میلان کے زیر اثر غزل کی صنف کو بھی بہت عزیز رکھا۔ جولانیٔ طبع کا بھی تقاضا شاید یہی رہا ہے۔ پاکستان کے اسلم انصاری نے ان کی غزل کے بارے میں بہت صحیح رائے دی ہے۔ مجھے اس سے پورا اتفاق ہے۔ کہتے ہیں:

"یہ ایک عجیب بات ہے کہ لفظ کالی داس سے (شکنتلا کے حوالے سے) ہمارے ذہنوں میں بیک وقت اچھی شاعری اور عظیم ڈرامے کا تصور ابھرتا ہے۔ اسی لیے جدید اردو غزل میں یہ نام ایک قدیم نئے پن کا احساس دلاتا ہے۔ جناب کالی داس گپتا رضا کا کلام پڑھتے ہوئے مجھے ایک ایسے ہی قدیم نئے پن کا احساس ہوا جو روایت کی توسیع اور تجربے کے نکھار سے پیدا ہوتا ہے۔"

وہ غزل کو اس کے تہذیبی سیاق و سباق کے ساتھ بھی سمجھتے ہیں اور عصری زندگی کے احوال و کوائف کو غزل کے موضوعات میں شامل کرنے کا ہنر بھی جانتے ہیں، جیسے۔

کوئی بھی فصل ہو شامل رہا ہی کرتی ہے
چمن کے شور میں نازک سی ایک آہٹ بھی
اسیرِ بربط و مضراب، گوش بر آواز
مقام رکھتی ہے جھونکوں کی گنگناہٹ بھی

چمک رہی ہے حیات آنسوؤں کے پرتو سے
کسے خبر ہے فلک کیا ہے چاند تارے کون

ہم وہ نہیں جو بھاگ کے ساحل پہ لیں پناہ
موجوں کے ساتھ ساتھ لڑیں گے بھنور سے ہم

کبھی مل کے ہم فیصلے پر نہ پہنچے
کبھی میں نہ مانا کبھی دل نہ مانا

بحث میں دونوں کو لطف آتا رہا
مجھ کو دل، میں دل کو سمجھاتا رہا

لیکن کالی داس گپتا رضا کی ادبی و علمی قامت نمایاں ہوئی تحقیق کے میدان میں۔ اس سلسلے میں پروفیسر گیان چند جین فرماتے ہیں:

"لیکن اب انھوں نے اپنی صحیح حیثیت دریافت کرلی ہے جو اردو کے محقق کی ہے۔ تحقیق میں وہ قاضی عبدالودود کے پیرو بلکہ جانشین ہیں۔ قاضی صاحب مرحوم انھیں بہت عزیز رکھتے ہیں۔ اس جذباتی رشتے کی وجہ یہ ہے کہ وہ بھی تحقیق میں قاضی صاحب کے حزم واحتیاط کو مدِ نظر رکھتے ہیں۔ رضا صاحب کے تحقیقی فیصلوں پر کہیں انگلی رکھنے کی گنجائش نہیں ہوتی۔"

قاضی عبدالودود کے علاوہ کلیم الدین احمد سے بھی نزدیک رہے۔ ان کے سر پر جناب مالک رام کا دستِ شفقت بھی رہا اور بالآخر رضا صاحب نے غالبیات میں ایک بڑا مقام پایا۔

اب آخر میں اس رنگ و نور کے بارے میں جس سے کالی داس گپتا رضا کی شبیہہ نہ صرف مکمل ہوتی ہے بلکہ اس کی توقیر و تعظیم میں اضافہ ہوتا ہے۔ ڈاکٹر گیان چند جین جیسے کھری کھری سنانے والوں نے لکھا:

"الہ آباد اور رشی کیش کے آشرموں پر جس طرح وہ ہزاروں روپے انڈیلا کیے اس کا پیچھے ذکر کیا جاچکا ہے۔ اردو کے ایک نئے اہلِ قلم کو کئی سال تک سات آٹھ سو روپے ماہانہ دے کر اسے کسی قابل کردیا۔ ایک مسلمان بیوہ کو کئی سال سے چار پانچ سو روپے ماہانہ دے رہے ہیں۔ معلوم نہیں کتنوں کو حج کے مصارف دے چکے ہیں۔ افریقہ اور ہندستان میں متعدد لڑکیوں کی شادی کے اخراجات ادا کردیے اور ان میں کئی مسلمان لڑکیاں بھی ہیں۔ ایک نوجوان کو بغیر کسی شناخت اور وسیلے کے مکان خرید دیا اور کاروبار سے لگا دیا۔ ایک بے روزگار انجینئر کو ٹی۔ وی کی دکان کھلوادی اور اپنی کاروباری صلاحیت اور تجربے سے اس طرح سے ایک فلیٹ کا مالک بنا دیا کہ آخر کار اس سے سب روپیہ واپس مل گیا۔ ایک رسالے کے خاص نمبر پر چالیس ہزار روپیہ لگا دیا جب کہ رسالے میں کہیں ظاہر نہیں کیا گیا کہ اس کے مالیے کی کفالت گپتا صاحب نے کی ہے۔ آخر کار انھوں نے اس کے تمام شمارے بیچ کر اپنا روپیہ نکال لیا۔"

اور پھر گپتا صاحب کے کردار سے جڑی ہوئی ڈاکٹر آدم شیخ کی یہ بات بھی کہ:

"رضا صاحب کی دولت میں کوئی تو گھر حصے دار ہے یا نہیں یہ تو مجھے معلوم نہیں لیکن اتنا ضرور معلوم ہے کہ کئی بیوائیں، یتیم، محتاج اور بے کس ان کی دولت کے مستقل حصے دار ہیں۔ رضا صاحب نام و نمود اور نمائش سے بہت دور بھاگتے ہیں۔ اسی لیے ان کو اٹھتے ہوئے داہنے ہاتھ کو ان کا بایاں ہاتھ بھی نہیں جانتا۔ وہ اسی معاملے میں سچے مسلمان ہیں اور غریبوں اور مزدوروں کے ان نام نہاد ہمدردوں سے بدرجہا بہتر جو غریبی اور عدم مساوات کا رونا رو کر اپنی تجوریاں بھرتے ہیں، ہوائی جہازوں میں سفر کرتے ہیں اور ہزاروں روپیوں کی بدیسی شراب میں غرق رہتے ہیں اور پھر بھی غریبوں کی سرداری کا دعوا کرتے ہیں۔ ریاکاری اور مکاری، رضا صاحب کے کردار میں نظر نہیں آتی۔"

واقعی کالی داس گپتا رضا جیسے برگزیدہ کرداروں کی معرفت قدرت، حق اور حقیقت کا درس خدا کے دوسرے بندوں تک پہنچاتی ہے۔ اس سلسلے میں رضا صاحب کی روحانی سچی تڑپ اردو والوں کے لیے ان کا پہلا اور آخری پیغام ہے جس سے ایک سرمدی وقار بھی وابستہ ہے۔ ان کے الفاظ اور ان کی آواز میں یہ پیغام سنیے :

"والد صاحب کی لائبریری کی کتابوں کے مطالعے سے ذہن بنا، اردو کی گنگا جمنی تہذیب سمجھ میں آئی اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ آریہ سماجی بن جائیں یا وہابی بن جائیں مگر اردو کا اپنا کلچر ہے جو بالکل الگ ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہر شخص کے لیے بالخصوص شمالی ہندستان کے رہنے والوں کے لیے اردو سیکھنا بہت ضروری ہے۔ میں ہمیشہ اپنے دوستوں، رشتہ داروں سے کہا کرتا ہوں کہ کسی اور وجہ سے نہ سہی کم از کم شمالی ہندستان کے مزاج کو سمجھنے کے لیے اردو ضرور سیکھیے۔ اس سے زبان بنتی ہے، مزاج بنتا ہے۔ ایک تاریخ ہمارے سامنے آجاتی ہے جس سے ہم نابلد ہوتے جارہے ہیں۔"

یہی پیغام کالی داس گپتا رضا کی حق شناس اور حقیقت پسند ہستی کی زندگی کا حاصل ہے جو اب ایک خوشبو کا سفر بن کر اردو دنیا میں گشت کر رہا ہے۔

67-G, Pocket-IV, Mayur Vihar Phase I,
Delhi-110091

مولانا ابوالکلام آزاد
ایک ہمہ گیر شخصیت
رشید الدین خاں
اس کتاب میں مولانا آزاد کی زندگی کے سوانحی گوشوں پر بہ طور خاص روشنی ڈالی گئی ہے۔
صفحات: 684، قیمت: 58.00

حیات جاوید
الطاف حسین حالی
سر سید احمد خاں کے رفیق کار مولانا الطاف حسین حالی کے قلم سے سر سید احمد خاں کی زندگی کے حالات اور ان کی قومی اور مذہبی خدمات کا بیان ...
چوتھا ایڈیشن
صفحات: 907، قیمت: 167

مولانا ابوالکلام آزاد
شخصیت، سیاست، پیغام
رشید الدین خاں
مولانا آزاد کی ہمہ جہت شخصیت اور ان کے علمی اور عملی کارناموں کا مکمل تعارف
دوسرا ایڈیشن
صفحات: 336، قیمت: 76.00

اردو زبان کی تدریس
معین الدین
اردو کیسے پڑھی اور پڑھائی جائے
درس و تدریس کے جدید سائنٹفک اصولوں کی روشنی میں تدریسی طریقۂ کار کا تعین
طلبہ اور اساتذہ دونوں کے لیے یکساں مفید۔
پانچواں ایڈیشن
صفحات: 148، قیمت: 29.00

ہندوستان کا شاندار ماضی
مصنف: اے ایل باشم
مترجم: سید غلام سمنانی
ہندوستان کے قدیم تہذیب و تمدن کا مفصل اور مکمل تعارف مستند تاریخی شواہد کی روشنی میں
دوسرا ایڈیشن
صفحات: 748، قیمت: 145.00

اتر پردیش کے لوک گیت
اظہر علی فاروقی
ہمارے لوک گیتوں میں ہندوستان کی عوامی زندگی کی بھرپور ترجمانی ہوئی ہے۔ اس کتاب میں اظہر علی فاروقی نے اتر پردیش کے وہ تمام گیت یکجا کر دیے ہیں جو مختلف موقعوں پر عوام کے دکھ سکھ کی ترجمانی کرتے ہیں
صفحات: 652، قیمت: 120.00

ہند ایران تعلقات کے نئے افق

تہران، 12/اپریل: (پی ٹی آئی) ہندستان نے ایران کو اس کے معاشی ترقیات کے منصوبے کے لیے 200 ملین امریکی ڈالر کے قرض کی پیشکش کی جب کہ دونوں ممالک نے ایک دوسرے کو تجارت میں توسیع اور معاشی سرگرمیوں کے سلسلے میں پسندیدہ ترین ملک کا موقف دینے سے اتفاق کر لیا۔ ایران چیمبر آف کامرس، انڈسٹری اینڈ مائنس سے خطاب کرتے ہوئے وزیر اعظم اٹل بہاری باجپائی نے تیل، انفارمیشن ٹکنالوجی اور دیگر کلیدی شعبوں میں باہمی تعلقات کو ایک نئی جہت دینے کے لیے ایک پانچ نکاتی حکمت عملی تجویز کی۔ شری باجپائی نے کہا کہ ان کی حکومت، ایران سے ہندستان کو گیس کی فراہمی کے لیے مجوزہ پائپ لائن کی تعمیر کے لیے آمادہ ہے، بشرطیکہ اس کے مفید اور محفوظ ہونے کی طمانیت حاصل ہو سکے۔ انھوں نے سرکردہ ایرانی اور ہندستانی تاجروں سے کہا کہ قرض کی پیشکش کی شرائط دونوں حکومتوں کے لیے تشفی بخش انداز میں طے کی جا سکتی ہیں۔

مرکزی وزیر مملکت برائے صنعت و تجارت عمر عبداللہ نے کہا کہ پسندیدہ ترین ملک قرار دینے کے باعث باہمی تجارت میں اضافہ ہو گا۔ باجپائی نے تجویز پیش کی کہ دونوں فریقوں کو ترجیحی معاہدے کے امکانات کا جائزہ لینا چاہیے۔ انھوں نے کہا کہ ایسے معاہدے کو موثر بنانے کے لیے مالی قرض کی سہولت ضروری تھی۔ وزیر اعظم نے کہا کہ ریزرو بینک آف انڈیا عنقریب ایران کے تجارتی بینک کو ہندستان میں شاخوں کے قیام کی منظوری دے گا۔ ایسے باہمی خیر سگالی بینکنگ انتظامات معاشی اور تجارتی تعلقات کو استحکام بخشیں گے۔

انھوں نے کہا کہ اسی جذبے کے ساتھ انھوں نے ایران کو 200 ملین ڈالر کے قرض کی پیشکش کی ہے تا کہ ایران کے تیسرے معاشی ترقیات کے منصوبے میں خاص طور پر زیریں ڈھانچے کے پروجیکٹس میں ہندستان اشتراک کر سکے۔ وزیر اعظم نے کہا کہ ان انتظامات سے دونوں ممالک کے درمیان تجارتی تعلقات کو بہتر بنانے کی شدید خواہش کا اظہار ہوتا ہے۔ پائپ لائن کے بارے میں انھوں نے کہا کہ بیرون ملک مشترکہ امکانات کی رپورٹ کی عاجلانہ تکمیل کرنی چاہیے اور ایل این جی کے جاریہ پروجیکٹس کی نگرانی کی جانی چاہیے۔ اس طرح توانائی کے شعبے میں تعاون جلد بار آور ہو سکے گا۔ اس سے ایک خوشگوار ماحول پیدا ہو گا اور ان کے ذہن میں موجود مزید پر عزم پروجیکٹس کی عملی صورت گری ممکن ہو جائے گی۔ باجپائی نے پانچ نکاتی حکمت عملی کی تفصیلات بتاتے ہوئے کہا کہ فریقین کو ایران کے تیل اور قدرتی گیس کے وسیع ذخائر اور ہندستان کی ضروریات کی تکمیل کے لیے ان کے وسیع مارکیٹ کے پیش نظر توانائی کے تحفظ کے شعبے میں تعاون پر توجہ مرکوز کرنی چاہیے۔ انھوں نے کہا کہ توانائی سے مربوط سرگرمیوں کے مشترکہ پروگراموں کی سرگرم حوصلہ افزائی کی ضرورت ہے۔ ان سرگرمیوں میں ساحلوں پر قائم پاور اسٹیشن، کنار آب ہائیڈرو کاربن پر مبنی قیمتی صنعتیں بھی شامل ہیں۔ شری باجپائی نے کہا کہ باہمی تجارت میں اضافے کی دوسری حکمت عملی پیٹرولیم مصنوعات کے تبادلے میں اضافے کے علاوہ دیگر شعبوں کی دریافت ہے۔ انھوں نے کہا کہ ہندستان کی جانب سے کثیر مقدار میں پیٹرولیم مصنوعات کی درآمد کے باعث ایران کو 12 بلین امریکی ڈالر کی تجارت حاصل ہو گی۔ انھوں نے کہا کہ ہمیں اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ ہم ایک دوسرے کو کیا

شیراز کا چوک مولانا آزاد کے نام پر

شیراز (ایران) 13 اپریل (یو این آئی۔ پی ٹی آئی) وزیر اعظم اٹل بہاری باجپائی نے آج کہا کہ ہندستان میں اقلیتوں کو بھی وہی حقوق اور امکانات حاصل ہیں جو اکثریت کے لیے ہیں اور اقلیتوں کے ساتھ کسی بھی قسم کی تفریق کی گنجائش نہ تو ہمارے آئین میں ہے نہ ہمارے آئیڈیل میں۔ اس شہر میں ایک چوک کو ہندستان کی جنگ آزادی کے ممتاز رہنما امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد کے نام سے منسوب کرنے کے بعد ایک تقریب سے خطاب کرتے ہوئے وزیر اعظم نے کہا کہ ہندستان تمام مذاہب کا ملک ہے۔ ان تمام مذاہب کے ماننے والوں نے ہندستان کی مجموعی ترقی میں نہ صرف گراں قدر حصہ لیا ہے بلکہ اب بھی لے رہے ہیں۔ وزیر اعظم نے اعلان کیا کہ ایرانی شاعر حافظ شیرازی کو بھی ہندستان میں کسی مناسب مقام پر اسی طرح خراج پیش کیا جائے گا جس طرح شیراز میں ایک چوک مولانا آزاد کے نام معنون کیا جا رہا ہے۔ وزیر اعظم نے کہا کہ ہم لوگ ہندستان کی قومی زندگی میں اسلام کی کثیر رخی خدمات کا اعتراف کرتے ہیں اور اس کا جشن بھی مناتے ہیں۔ مسٹر باجپائی نے کہا کہ شہر شیراز نے دونوں ملکوں کے "ہمارے عوام" کے درمیان تہذیبی اخوت کو مستحکم کرنے میں بڑا اہم رول ادا کیا۔ انھوں نے کہا کہ حافظ شیرازی اور سعدی شیرازی جیسے عظیم شعرا اپنے دور کے ہندستانی علما کے ساتھ مسلسل رابطہ رکھے ہوئے تھے۔ ایک ممتاز ہندستانی صوفی شاعر حضرت اشرف سمنانی نے حافظ شیرازی کے ساتھ کچھ وقت ایران میں گزارا اور ایک ممتاز ایرانی شاعر

فراہم کرسکتے ہیں جو مزید ترقی یافتہ مارکیٹ سے درآمدات پر ہمارے انحصار کو کم کرسکتی ہے۔ شری باجپائی نے کہا کہ دونوں ممالک کو جدید معیشت، سائنس اور ٹکنالوجی کے شعبوں میں تعاون کی حوصلہ افزائی کرنا چاہیے۔ انھوں نے کہا کہ ان میں انفارمیشن ٹکنالوجی، مواصلات، الیکٹرانکس، فارماسیوٹیکلس، بائیو ٹکنالوجی، ہندستان میں موجود انجینئروں، سائنس دانوں، ماہر کاریگروں، سٹلائیٹ اور بحریات (اوشنالوجی) کو بھی شامل کیا جانا چاہیے۔ انھوں نے مشترکہ کاروبار اور راست غیر ملکی سرمایہ کاری کی حوصلہ افزائی کی ضرورت پر بھی زور دیا اور کہا کہ فرٹیلائیزر، ریلویز شپنگ سے متعلق بعض جاریہ پروجیکٹس پر ہند۔ ایران مشترکہ کمیشن کے تیسرے اجلاس میں نظر ثانی کی جانی چاہیے۔ اس اجلاس میں ایران کے سرکردہ تاجروں کے علاوہ فیڈریشن آف انڈین چیمبرس آف کامرس کے 18 رکنی اعلیٰ سطح کے وفد نے اپنے صدر چرایو آرامین کی زیرِ قیادت شرکت کی۔ مرکزی وزیرِ مملکت برائے تجارت عمر عبداللہ نے اجلاس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ سیاسی استحکام، معاشی پالیسی کے ساتھ ہندستان، ایران کو تجارت اور سرمایہ کاری کے بہترین مواقع فراہم کرسکتا ہے۔ مسٹر عبداللہ نے کہا کہ ہندستان، ایران کو اطلاعاتی شعبے، خلائی تحقیقات کے شعبے میں ماہرین کی فراہمی، ٹیکسٹائل کے شعبے میں جدید ترین مشینری کی فراہمی، تربیت یافتہ ماہرینِ فن، رنگوائی اور سنتھیٹک پارچہ سازی، آٹو موبائیل، الیکٹریکل، الیکٹرانکس، کیمکلس اور ڈرگس کے شعبوں میں ماہرین اور مہارت کی فراہمی کے ذریعے ایران کے ساتھ وسیع تر تعاون کرسکتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ نئی برآمدی درآمدی پالیسی میں 715 ایٹموں پر سے مقداری تحدید کی برخاستگی کے بعد ہند۔ ایران باہمی تجارت اور سرمایہ کاری کی حوصلہ افزائی ہوگی۔ فیڈریشن آف انڈین چیمبرس آف کامرس اینڈ انڈسٹری نے کہا کہ ہندستان، قدرتی گیس کے شعبے میں ایران کا "اسٹرٹیجک پارٹنر" ہوسکتا ہے کیوں کہ تہران، ایل این جی پروجیکٹس اور گیس کی فراہمی کے لیے پائپ لائن کے قیام کا خواہاں ہے۔ صدر فیڈریشن چرایو آرامین نے کہا کہ ہندستان حال ہی میں پیٹرولیم مصنوعات کے بہت بڑے درآمد کنندہ کے طور پر ابھرا ہے۔ انھوں نے کہا کہ ہندستان، ایران کے تیل فیلڈس کی ترقی اور تیل کی تلاش کے شعبوں میں ایران کی کافی مدد کرسکتا ہے۔ امین نے 200 قبل مسیح سے 16ویں صدی عیسوی کے درمیان دنیا کی شہرۂ آفاق تجارتی راہ "شاہراہ ریشم" کی یاد دلاتے ہوئے کہا کہ جنوبی ایشیا، وسطی ایشیا، روسی وفاق اور یورپ کو مربوط کرنے والی قریب ترین شاہراہ ہونے کے باعث یہ ایک بار پھر اہمیت کی حامل ہوگئی ہے۔ انھوں نے کہا کہ فیڈریشن ایران کی صنعتی ترقی اور جدید کاری میں اہم کردار ادا کرنا چاہتا ہے۔ قبل ازیں وزیرِاعظم شری باجپائی نے بھی ایران کے کلیدی جغرافیائی موقف کے حوالے سے کہا کہ ہندستان اور ایران ایشیا کی ترقی میں اہم کردار ادا کرسکتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ ان وسیع تر اقدامات کے لیے ہندستان نسلِ نو میں اصلاحات، سیاسی پارٹیوں اور ریاستوں میں اتفاقِ رائے پیدا کرنے کا خواہاں ہے تاکہ ان اقدامات پر عمل آوری کی جاسکے۔ شری باجپائی نے کہا کہ ہندستان عالمی معیشت میں اپنے مستحقہ مقام کے حصول کا خواہاں ہے اور گذشتہ دس سال سے تیز رفتار جی ڈی پی ترقی کے ساتھ جو 6 سے 65 فی صد ہے، وہ بہ سرعت ترقی کرنے والی معیشت کا حامل ملک ہے۔

(بہ شکریہ سیاست، حیدر آباد)

عطا عابدی

اردو کی صورتِ حال۔ چند باتیں

اردو زبان وادب کے مسائل اور امکانات کے حوالے سے مختلف تحریریں وقتاً فوقتاً سامنے آتی رہتی ہیں۔ جن سے اردو زبان وادب کے تئیں خیر خواہانِ اردو کی دلچسپی ظاہر ہوتی ہے۔ یہ تحریریں صرف پڑھنے اور سوچنے کی حد تک ہی اہم نہیں ہوتیں بلکہ وہ اس سے آگے بڑھ کر عملی اقدام اور لائحہ عمل ترتیب دینے کی ترغیب بھی دیتی ہیں۔ مگر اس ترغیب کے باوجود ہمارے معمولات میں کوئی خاص فرق واقع ہوتا ہو، ایسا دکھائی نہیں دیتا۔

ملک کی اکثر ریاستوں میں اردو کے مسائل کم وبیش یکساں ہیں۔ البتہ کسی ریاست میں امکانات کی شمعیں کچھ زیادہ روشن ہیں ہاں امکانات کی ان شمعوں کو روشن رکھنے اور ان سے خاطر خواہ استفادے کی راہیں منحنی صورت میں ہیں، جن کی اصلاح کسی حکومت یا سرکاری اداروں سے زیادہ خود اردو عوام کے رویے پر منحصر ہے۔ اردو کے مسائل کا جب اور جہاں ذکر آتا ہے، اس خیال کو اکثر وبیشتر حضرات ضرب المثل کی طرح دہرانے لگتے ہیں کہ "اردو کو خود اردو والوں سے نقصان پہنچ رہا ہے" اردو والوں پر یہ الزام کسی اور جانب سے نہیں، بلکہ خود اردو والوں ہی کی طرف سے عائد کیا جاتا رہا ہے۔ یعنی اردو والے جرم بھی کرتے رہتے ہیں اور اعتراف جرم بھی کررہے ہیں۔ اس طرح جرم واعتراف جرم کا سلسلہ جاری ہے۔ اس جرم سے خود کو پاک رکھنے اور اس کی تلافی کے لیے اقدام کی توفیق شاید اس لیے نہیں ہوتی کہ جرم واعتراف جرم آسان راستہ ہے اپنے آپ کو اردو والوں اور اردو کے لیے سوچنے والوں کی فہرست میں شامل کرانے کے لیے۔ یہ رویہ اجتماعی نوعیت ہی کا نہیں ہے بلکہ انفرادی رویہ بھی کم افسوسناک نہیں ہے۔ لہٰذا ضرورت ہے کہ اردو کے نقصان کی ذمے داری ہم ایک دوسرے کے سر ڈالنے کا سلسلہ بند کریں اور اردو کے مفاد میں خود ہم کیا کررہے ہیں اور کیا کرنا چاہیے اس پر سنجیدگی سے غور کرکے ایک ایسے ماحول کو جنم دیں کہ جہاں خود احتسابی کا عمل ہماری اولین ترجیحات میں شامل ہو۔ خود احتسابی کے ساتھ ساتھ ایک اور چیز ازحد ضروری ہے اور وہ ہے وسیع النظری۔ یہ دونوں چیزیں اگر ہم نے پیدا کرلیں تو نہ صرف اپنی ذمے داریوں کا احساس ہوگا، اپنی کوتاہیوں پر نظر ہوگی بلکہ دوسروں کی خدمات، چاہے وہ کتنی ہی معمولی ہوں، سراہنے، ان کی حوصلہ افزائی کرنے اور اعتراف کا مخلصانہ جذبہ بھی پروان چڑھے گا۔

اردو کا بنیادی مسئلہ اردو کی تعلیم ہے۔ اردو زبان کی تعلیم کے لیے جو چیزیں ناگزیر حیثیت کی حامل ہیں ان میں اردو کی کتب، اردو اساتذہ، اردو طلبہ اور ان کے والدین سرفہرست ہیں۔ مسائل کیا ہیں اور انھیں کس طرح حل کیا جاسکتا ہے، ان سوالوں کے تشفی بخش جواب کے لیے (اردو اساتذہ، اردو طلبہ اور ان کے والدین) سے رجوع کرنا ضروری ہوگا۔ اگر ایسا ہو کہ پرائمری، سکنڈری اور اس سے اعلا درجات کی سطح کے اساتذہ، طلبہ اور ان کے والدین یا ان کے نمائندگان کا الگ الگ یا ایک ساتھ سالانہ یا دوسالہ تعلیمی سمینار یا ورکشاپ ہو تو اس سے اردو زبان کے تعلیمی مراحل ومسائل کے مختلف پہلو روشنی میں آسکتے ہیں اور ان کے حل کی مختلف تدابیر پر غور کرنے کا بھی موقع فراہم ہوسکتا ہے۔ ان سمینار یا ورکشاپ کی معنویت اور افادیت تبھی ثابت ہوسکتی ہے جب روشنی میں آئے پہلو اور نکات ہماری عملی دلچسپی اور توجہ کا مرکز ہوں۔

یہ ایک عام شکایت ہے کہ اردو کی نصابی کتابیں وقت پر نہیں ملتیں، جس کے نتیجے میں اردو زبان کے ذریعے تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ پیچھے رہ جاتے ہیں۔ وہ پیچھے نہ رہیں اس کے لیے دوسری زبان میں نصابی کتب خرید لیتے ہیں اور انھی سے اپنی تیاری کرتے ہیں۔ اردو میں امتحان دینے کے خواہش مند طلبہ اگر اردو میں لکھتے بھی ہیں تو وہ عموماً رسم خط کا فرق ہوتا ہے لفظ دوسری زبان کا ہی رہتا ہے کہ اسی زبان میں طلبہ کتابیں پڑھے ہوئے ہوتے ہیں۔ اردو کی ابتدائی تعلیم کا مرحلہ سب سے زیادہ اہم ہے، لیکن اس مرحلے پر بھی اردو زبان کی حالت تشفی بخش دکھائی نہیں دیتی۔ جس کے نتیجے میں آنے والی نسل کے اردو سے ناآشنا رہ جانے تک کے اندیشے سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اس ضمن میں مدارس کے رول کی تعریف کی جانی چاہیے کہ ان کی بدولت بنیادی سطح پر اردو زبان کی تعلیم ہورہی ہے۔ لیکن یہ مدارس، مکتب یا اسکول جہاں اردو کی تعلیم ہورہی ہے، تمام آبادی کے لیے ناکافی

ثابت ہو رہے ہیں۔ بڑے اور چھوٹے شہروں کے وی آئی پی علاقوں میں انگریزی میڈیم کے اسکول ہی نزدیک پڑتے ہیں۔ ان علاقوں کے طلبہ ان اسکولوں میں تعلیم حاصل کرتے ہیں اور اردو زبان کی تعلیم سے محروم رہ جاتے ہیں۔ اگر کچھ والدین اپنے بچوں کو اردو پڑھانا بھی چاہیں تو کہاں پڑھائیں؟ آس پاس ایسا کوئی مدرسہ، مکتب یا اسکول نہیں ہے۔ ان انگریزی میڈیم اسکولوں میں بھی اردو کی تعلیم ہو، اس کی اجتماعی کوشش شاید و باید ہی نظر آتی ہے۔ ایک اسکول میں اگر 30-40 طلبا بھی اردو پڑھنا چاہتے ہوں تو ان کے والدین اور سرپرست اسکول انتظامیہ سے ایسا مطالبہ کر سکتے ہیں لیکن انگریزی میڈیم اسکول سے ایسا مطالبہ یا تقاضہ کرنا ہم ضروری نہیں سمجھتے کہ اردو ہماری نظر میں غیر مفید اور غیر اہم زبان بن کر رہ گئی ہے۔ اگر ہم اپنی زبان کی اہمیت اور ضرورت سمجھتے تو اس معاملے میں خاموشی اختیار نہ کرتے ایک دو جگہ ایسی کوشش ہوئی ہے اور اس کا نتیجہ مثبت رہا ہے۔

اردو اداروں اور تنظیموں کی پہلی ذمے داری اردو زبان کی تعلیم پر نظر رکھنے اور اس کی سمت میں پیش قدمی کرنے کی ہے جہاں کہیں بھی اردو کے حوالے سے کمی، کوتاہی یا ناانصافی کے واقعات سامنے آئیں، ان کے تدارک کے لیے اردو والوں کو مستعدی اور بیداری کا ثبوت دینا چاہیے۔ اردو تعلیم کی پریشانیوں کے حوالے سے اخبارات میں مراسلات شائع ہوتے ہیں لیکن ان مراسلات کو خود اردو والے سنجیدگی سے لینے کے بجائے عموماً سرکاری اقدام کے منتظر رہتے ہیں۔ اردو کے ساتھ ناانصافیوں کے واقعات کو بھی ہم ایک عام خبر کی طرح پڑھتے اور بھلا دیتے ہیں۔ ایسے میں ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ اردو کے فعال ادارے میڈیا واچ کی ذمے داری قبول کریں۔ اس سے نہ صرف ناانصافیوں کا فوری سد باب ممکن ہو سکے گا بلکہ اردو کے تعلق سے پھیلائی گئی غلط فہمیوں یا بدگمانیوں کو بھی دور کرنے میں مدد ملے گی۔

ریاست بہار میں اردو دوسری سرکاری زبان ہے۔ اکثر بلاکوں میں اردو مترجم رکھے گئے ہیں لیکن ان سے دوسرے کام لیے جا رہے ہیں یا یہ خود دوسرے کام کر رہے ہیں کہ اردو میں درخواستیں موصول ہونے کی رفتار صفر ہے۔ یہ عوامی بیداری کا معاملہ ہے۔ آخر یہ بیداری کیوں نہیں ہے؟ اگر ہم خود بیدار نہیں ہیں تو ہمیں کون بیدار کرے گا؟

اردو میں شائع ہونے والے رسائل کے مندرجات پر نظر ڈالیے تو ان کا تعلق اکثر و بیشتر اردو کی ادبی اصناف یا شخصیات سے ہوتا ہے۔ اردو زبان، اردو تعلیم، اردو نصاب کتب، اردو اساتذہ، اردو طلبہ سے متعلق مسائل و حقائق نیز دیگر متعلقہ موضوعات پر مضامین کا عموماً فقدان رہتا ہے۔ اس سے اردو عوام کی توجہ اور معلومات اردو ادب تک محدود ہو جاتی ہیں۔ دیگر مسائل و موضوعات کے بارے میں معلومات کا دائرہ تکلیف دہ حد تک تنگ ہوتا جا رہا ہے۔ اگر ہر رسالہ بھی ان تمام موضوعات و مسائل کا احاطہ کرنے کی ذمے داری انجام دینے لگے تو عوامی ذہن سازی یا رجحانات کی تعمیر و توسیع کا بڑا کام انجام پا سکتا ہے۔

دہلی اردو اکادمی کے طرز پر اگر ہر ریاست کی اردو اکادمی، انجمن ترقی اردو یا کوئی اور فعال اردو ادارہ ایسی تحقیقی کتابوں کی اشاعت پر توجہ دے جو متعلقہ ریاست میں اردو زبان، اردو ادب، اردو صحافت، جیسے عنوانات پر ہوں تو اس کتابی سلسلے سے متعلقہ ریاست میں اردو کے حوالے سے تفصیلی اور تحقیقی حقائق منظر عام پر آ سکیں گے جو لائحہ عمل ترتیب دینے میں بنیاد کا کام کریں گے۔

Urdu Section, Bihar Legislative Council,
Patna- 800015

فرہنگِ آصفیہ، مولفہ: سید احمد دہلوی

یہ اردو زبان کا وہ مشہور اور مستند لغت ہے جو برسوں سے نایاب تھا۔ اس لغت میں عربی، فارسی، ترکی، ہندی سنسکرت اور انگریزی کے وہ تمام الفاظ شامل ہیں جو اردو زبان کا جز بن چکے ہیں۔ اس لغت کی کچھ اہم خصوصیات یہ ہیں۔

- عدالتی الفاظ
- بیگماتی محاورات
- اشارات و کنایات
- تاریخی واقعات
- مناسب حال مادّے
- علم زبان کے رموز و نکات
- اردو صرف و نحو کے قاعدے
- ملک کی متداولہ رسمیں
- اہل پیشہ و اہل حرفہ کی ضروری اصطلاحات
- داخلِ روزمرہ ضرب الامثال
- قدیم و جدید تحقیقات کے اختلافات مع نظائر
- نظم و نثر میں لفظوں کے کثیر المعانی استعمال کی مثالیں اور وجہ تسمیہ
- تمام اولیا اور فقرائے ہند کے اسمائے گرامی مع حالات
- علمائے کرام کے نام اور مختصر سوانحی حالات

سائز: 20x26/4، صفحات: ڈھائی ہزار سے زائد
قیمت: (مکمل تین جلدیں) 750/روپے
قومی اردو کونسل کے دفتر سے طلب کریں۔

معصوم مرادآبادی

اردو کے میقاتی اخبارات و رسائل کے اشاعتی مسائل

الیکٹرانک میڈیا کی ہوش ربا ترقی کے اس دور میں جبکہ پرنٹ میڈیا اپنے وجود کے بقا کی لڑائی پورے زور و شور سے لڑ رہا ہے، اردو کے اخبارات و رسائل اپنے ان بنیادی مسائل کا حل ڈھونڈنے میں بھی ناکام رہے ہیں جن سے وہ روزِ اول سے ہی نبرد آزما ہیں۔

جس طرح صحافت کو جمہوریت کا چوتھا ستون کہا جاتا ہے اسی طرح اخبارات و رسائل کے جو چار ستون ادارت، طباعت، ملکیت اور اشاعت ہیں، ان میں اشاعت کی حیثیت چوتھے ستون کی ہے جس پر کسی بھی اخبار یا جریدے کی کامیابی یا ناکامی منحصر ہوتی ہے۔

اردو اخبارات و رسائل کی اشاعت کا موضوع ہمیشہ دکھتی رگ پر ہاتھ رکھنے جیسا رہا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ کسی خاتون سے اس کی عمر اور کسی اخبار والے سے اس کے اخبار کی سرکولیشن نہیں پوچھنا چاہیے کیونکہ دونوں اس معاملے میں سچ نہیں بولتے۔ ان معدودے چند اخبارات کو چھوڑ دیں جن کی اشاعت ہی ان کی کامیابی کی سب سے بڑی کلید ہے تو آپ کو اردو کے بیشتر اخبارات و رسائل اس محاذ پر بے سرو سامانی کے عالم میں پریشان کھڑے نظر آئیں گے۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ طباعتی تکنیک میں ترقی، اردو سافٹ ویئر کی آمد اور اردو میں خبر رساں ایجنسی کے آغاز نے اردو اخبارات و رسائل کے بعض پیچیدہ مسائل کو آن واحد میں حل تو کر دیا ہے لیکن آج بھی ملک میں ایسے بے شمار چھوٹے بڑے اخبارات و رسائل ہیں جن تک ان سوغاتوں کی روشنی نہیں پہنچ پائی ہے۔ ملک کے دور دراز شہروں، قصبوں اور تحصیلوں سے شائع ہونے والے اخبارات و رسائل کو اب بھی وسائل کی کمی کے سبب اسی پرانی تکنیک پر انحصار کرنا پڑتا ہے جس نے ایک طویل عرصے تک اردو صحافت کی راہیں مسدود رکھیں۔

حقائق کیا ہیں؟

اردو زبان کی اشاعت اور بقا میں ان اخبارات و رسائل کے کردار کو فراموش نہیں کیا جاسکتا جو ملک کے مختلف حصوں سے شائع ہوتے ہیں۔ معمولی قیمت میں دستیاب ہونے والے یہ چھوٹے بڑے ہفتہ وار، پندرہ روزہ اور ماہنامہ اخبارات و رسائل عرف عام میں جنھیں اردو کے میقاتی جرائد کہا جاتا ہے، اپنی تمام کس مپرسی کے باوجود پابندی سے شائع ہو رہے ہیں لیکن ان کے بنیادی مسائل کی طرف سب سے کم توجہ دی جاتی ہے۔

عام طور پر اردو صحافت کے مسائل کا جب بھی ذکر ہوتا ہے تو بات اردو روزناموں سے آگے نہیں بڑھ پاتی اور وہیں سارے مسائل کا حل ڈھونڈ لیا جاتا ہے۔ ہم ذرا آگے بڑھ کر، نظر پھیلا کر یا گھوم کر دیکھیں تو ہمیں ایسے ان گنت میقاتی اخبارات و رسائل نظر آجائیں گے جو اردو کی خدمت کے جذبے کے تحت ان حالات میں بھی شائع ہوتے ہیں جن میں زندگی کے آثار بہت معدوم ہیں۔ ایسے میقاتی اخبارات و رسائل کی تعداد کچھ کم نہیں ہے۔ اگر آپ اعداد و شمار پر نظر ڈالیں تو پریس رجسٹرار کی تازہ ترین رپورٹ کے مطابق اس وقت پورے ہندستان سے مجموعی طور پر جو 2ہزار 745 اردو اخبارات و رسائل شائع ہو رہے ہیں ان میں 509 روزنامے، 1290ہفتہ وار، 365 پندرہ روزہ اخبارات، 496 ماہنامہ اخبارات و رسائل کے علاوہ 56 سہ ماہی، 3 سالناموں اور 20 سہ روزہ یا دو روزہ اخبارات کے علاوہ 15 دیگر نوعیت کے اخبارات و رسائل شامل ہیں۔

اگر آپ ان اخبارات و رسائل کی مجموعی سرکولیشن پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ ان کی مجموعی تعداد اشاعت 80لاکھ 72ہزار 946 ہے اور ان میں 41لاکھ 21 ہزار سرکولیشن محض روزناموں کی ہے۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ پورے ملک میں اردو اخبارات کی جو سرکولیشن ہے اس میں نصف حصہ اردو کے میقاتی اخبارات و رسائل کا ہے جنھیں ہر سطح پر نظر انداز کیے جانے کا عمل جاری ہے۔

نئی تکنیک اور سہولتیں

اس میں شک نہیں کہ بدلتے وقت کے ساتھ اردو اخبارات و رسائل کو بہت سی تکنیکی دشواریوں پر قابو پانے میں مدد ملی ہے۔ اردو کے روزنامہ اخبارات کے لیے سب سے بڑا مسئلہ ایجنسی کی انگریزی خبروں کو اردو میں منتقل کرنے کا تھا جو ہمیشہ سے ایک بڑا دردِ سر رہا۔ ایک نامور صحافی نے انگریزی سے اردو ترجمہ کرنے کی بابت یہ جملہ کہا

تھا کہ یہ کام خود اپنے ہاتھوں سے اپنی کمر کھجانے جیسا ہے۔ یو۔ این۔ آئی۔ اردو سروس کے آغاز نے اس مسئلے کو حل کر دیا ہے۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان اس بات کے لیے مبارکباد کی مستحق ہے کہ وہ یو۔این۔ آئی۔ کی اردو سروس استعمال کرنے والوں کو 50فی صد سبسڈی دیتی ہے۔ یعنی یو۔این۔ آئی کی اردو سروس استعمال کرنے والے اخبارات کے 50فی صد واجبات کی ادائیگی کونسل کے فنڈ سے ہوتی ہے۔ یہاں مجھے یہ کہنے کی اجازت دی جائے کہ اگر قومی اردو کونسل اردو کے میقاتی اخبارات و رسائل کی امداد کے لیے ایسی ہی کوئی اور سکیم نکال دے تو ان اخبارات کے تئیں اس کا یہ بڑا کرم ہوگا۔

یو۔این۔ آئی۔ کی اردو سروس کے علاوہ ایک اور سہولت جو اردو کے تمام ناشرین کے لیے نعمتِ غیر مترقبہ بن کر اتری ہے وہ ہے اردو سافٹ ویئر کی ایجاد، یعنی کمپیوٹر سے اردو کتابت۔ کمپیوٹر نے اردو ناشرین اور اخبارات و رسائل کے ایک ایسے پیچیدہ مسئلے کو حل کیا ہے جس کا اب سے پہلے تصور ہی محال تھا۔ لیکن یہ سوال پھر بھی اپنی جگہ ہے کہ کیا اردو کے تمام اخبارات و رسائل اس کے متحمل ہو سکتے ہیں کہ وہ از خود کمپیوٹر سافٹ ویئر اور پرنٹر خرید کر اس سہولت کا پورا فائدہ اُٹھا سکیں؟ اس کا جواب یقیناً نفی میں ہے۔ کیا قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے ذمے دار اس طرف توجہ دیں گے کہ وہ ان میقاتی اردو اخبارات و رسائل کی مدد کے لیے اس راہ میں پیش قدمی کریں۔ اگر کوئی اخبار یا رسالہ کمپیوٹر خریدنے کی گارنٹی دے تو کونسل اس کو اردو سافٹ ویئر اور پرنٹر اپنی طرف سے مہیا کرائے۔ یہ میری ایک مخلصانہ تجویز ہے جس پر غور بہر حال کیا جا سکتا ہے۔

اشتہارات کا مسئلہ

اردو کتابوں کی اشاعت کا سارا دارومدار ان کی فروخت پر ہوتا ہے لیکن اخبارات و رسائل کے ساتھ مسئلہ بالکل الگ ہے۔ عام طور پر بازار میں جو کتابیں فروخت ہوتی ہیں ان کی قیمت ان کی مجموعی لاگت سے بڑھا کر رکھی جاتی ہے تاکہ اشاعتی ادارے کو اس کا فائدہ پہنچے لیکن اخبارات و رسائل کے ساتھ معاملہ دیگر ہے۔ یہ بات شاید آپ کو عجیب لگے کہ آپ ہر روز صبح کو 1.50 روپے کا جو "ہندستان ٹائمز" خریدتے ہیں اس میں جو اعلا درجے کا نیوز پرنٹ کاغذ استعمال ہوتا ہے اس کی قیمت تقریباً 5روپے ہوتی ہے۔ وہ "ہندستان ٹائمز" جو 1.50 روپے میں ہر صبح آپ کے دروازے پر دستک دیتا ہے، وہ اپنے دفتر سے 85 پیسے میں روانہ ہوتا ہے۔ باقی 65 پیسے ایجنٹوں اور ہاکروں کے کمیشن میں صرف ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے جس اخبار پر کاغذ کی لاگت ہی 5روپے ہوگی اس کے باقی اخراجات کا تو اندازہ کرنا ممکن ہی نہیں۔ انگریزی کے بڑے روزناموں میں کثیر رقموں کے جو اشتہارات شائع ہوتے ہیں اس کے ذریعے نہ صرف اس نقصان کو پورا کیا جاتا ہے بلکہ ان سے براہِ راست منافع بھی حاصل ہوتا ہے۔ اس کے برعکس اردو اخبارات و رسائل اپنی انتھک جدوجہد اور کوششوں کے باوجود اشتہارات حاصل کرنے میں ناکام رہتے ہیں جس کے نتیجے میں ان کی معیشت خستہ رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اردو کے بیشتر اخبارات و رسائل جلد یا بدیر اپنے آخری انجام سے دوچار ہو جاتے ہیں۔

اردو کے ان میقاتی اخبارات و رسائل کو جو مرکزی حکومت کے شعبۂ اشتہارات ڈی اے وی پی (DAVP) سے منظور شدہ ہیں، سال میں صرف تین اشتہارات ہی مل پاتے ہیں: یومِ جمہوریہ، یومِ آزادی اور 2/اکتوبر (گاندھی جینتی) کے موقعوں پر۔ کہنے کی ضرورت نہیں کہ یہ اشتہارات اردو کے میقاتی اخبارات و رسائل کے لیے یومِ عید کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان تین اشتہارات سے حاصل ہونے والی مجموعی رقم اتنی بھی نہیں ہوتی کہ وہ اس خرچے کے برابر ہو جو ڈی اے وی پی کے کنٹریکٹ کی سالانہ تجدید پر خرچ ہوتا ہے۔ ان میقاتی اخبارات و رسائل کے ساتھ اردو کے سرکاری اداروں کے رویے کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اب سے 15 برس پہلے ایک اردو اکادمی نے ان اخبارات و رسائل کو 500روپے کا اشتہار دینے کی جو روایت شروع کی تھی وہ 15 برس گزرنے کے باوجود 501 روپے نہیں ہو پائی ہے۔ یہ اکیڈمی اب بھی سال میں دوبار ہی 500روپے کا اشتہار دینے کی متحمل ہے۔

ایجنٹوں کا مسئلہ

اردو کے میقاتی اخبارات و رسائل کا سب سے بڑا دردِ سر وہ ایجنٹ حضرات ہیں جن کے ذریعے اخبارات و جرائد کی ترسیل ہوتی ہے۔ جو اخبارات اپنی اشاعت کے بل پر زندہ ہیں ان میں زیادہ تر روزنامے ہیں۔ ان کی سرکولیشن کا دائرہ 200 کلو میٹر کے اندر ہوتا ہے لہٰذا ان اخبارات کو اپنے ایجنٹوں اور ڈسٹری بیوٹروں سے واجبات وصول کرنے میں کوئی پریشانی نہیں ہوتی جبکہ اس کے برعکس اردو کے ہفتہ وار، پندرہ روزہ یا ماہناموں کا دائرہ پورے ہندستان کو محیط ہے اور ان کی قسمت مکمل طور پر ان ایجنٹوں کے ہاتھوں گروی رکھی ہوتی ہے جو

اخبارات ورسائل فروخت کرنے کا کام کرتے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ یہ غیر ایماندار ایجنٹ اردو اخبارات ورسائل کی توسیع اشاعت میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں تو بے جا نہ ہوگا۔

ان ایجنٹوں کی اکثریت اس پر یقین کامل رکھتی ہے کہ اردو کے اخبارات ورسائل کی رقم ہضم کرنا عین ایمان ہے۔ بہت کم اخبارات و رسائل ایسے ہیں جن کے سالانہ خریداروں کی تعداد اتنی ہوتی ہے کہ انھیں اپنے قارئین تک پہنچنے کے لیے ان ایجنٹوں کا سہارا نہیں لینا پڑتا۔ کسی بھی نئے اخبار یا جریدے کو شروع کرنے سے پہلے پورے ملک میں پھیلے ہوئے ان ایجنٹوں سے رابطہ قائم کرنا پڑتا ہے۔ نمونے کی کاپی اور شرائط ایجنسی بھیجی جاتی ہیں تب جاکر ایجنٹ اپنی شرائط پر مال منگوانے پر راضی ہوتے ہیں۔ مال سادہ ڈاک، ریل یا وی پی کے ذریعے بھیجا جاتا ہے۔ ایجنٹ کا موڈ اور جیب نے اجازت دی تو وی پی چھڑا لی گئی ورنہ پورا بنڈل جس پر اچھے خاصے ٹکٹ لگائے جاتے ہیں بیرنگ خط کی طرح واپس آجاتا ہے۔ جن ایجنٹوں کو مال سادہ ڈاک یا ریل سے بھیجا جاتا ہے انھیں ہر مہینے جب بل بھیجا جاتا ہے تو اس کی ادائیگی میں وہ ایسے بہانے تراشتے ہیں کہ آپ کے پاس سوائے ہاتھ ملنے کے کچھ نہیں بچتا۔ ایسے خوش قسمت اخبارات ورسائل بہت کم ہیں جنھیں ایجنٹوں کے ذریعے سیکورٹی یعنی زر ضمانت مل جاتا ہے۔ اگر آپ دہلی سے پرچہ نکالتے ہیں اور آپ کی کوئی رقم کسی ایجنٹ نے کرناٹک، مہاراشٹر یا بنگال میں ہضم کر رکھی ہے تو آپ کے پاس سوائے کھٹے میٹھے خط لکھنے، تار بھیجنے اور فون کرنے کے کوئی اور چارہ نہیں ہے۔ ظاہر ہے یہ رقم اس خرچے کے برابر یا اس سے کچھ کم ہی ہوتی ہے جو پیسہ وصول کرنے کے لیے وہاں تک سفر کرنے اور سفر کے اخراجات برداشت کرنے پر آتا ہے۔

اعزازی قارئین

مجھے اس تلخ نوائی کے لیے معاف کیا جائے کہ اردو کے روزنامہ اخبارات کو جہاں مانگ کر پڑھنے کا رواج عام ہے وہیں اردو کے میقاتی اخبارات و رسائل کا مسئلہ اس کے وہ اعزازی قارئین بھی ہیں جو اعزازی کاپی یعنی مالِ مفت دلِ بے رحم پر یقینِ محکم رکھتے ہیں۔ کہنے کو یہ اعزازی قارئین ہوتے ہیں لیکن ان کے حقوق کسی بھی طرح ان قارئین سے کم نہیں ہوتے جو اخبارات ورسائل کو خرید کر پڑھتے ہیں۔ میں نے ایک مرتبہ اپنے اخبار کے 200 سے زیادہ اعزازی قارئین کو ایک پوسٹ کارڈ لکھ کر ان سے یہ درخواست کی کہ وہ ایک عرصے سے اخبار کی مفت قرأت کرتے آرہے ہیں، ان دنوں اخبار کی مالی حالت کمزور ہے لہٰذا آپ سے گذارش ہے کہ سالانہ چندہ جو مبلغ 100 روپے ہے روانہ فرما کر احسان کریں۔ آپ کو یہ جان کر تعجب ہوگا کہ ان 200 حضرات میں سے صرف 2 جواں مرد ایسے تھے جنھوں نے اخبار کا سالانہ چندہ بھیج کر اپنی اردو حمیت کا ثبوت دیا باقی سب میرے خط کو ہضم کر گئے۔ سالانہ چندہ بھیجنا تو دور کی بات ہے انھوں نے پوسٹ کارڈ کا جواب، پوسٹ کارڈ پر دینا بھی گوارا نہیں کیا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب پوسٹ کارڈ محض 15 پیسے کا ہوا کرتا تھا۔

آپ نے عام طور پر کسی اردو اخبار یا جریدے کی پرنٹ لائن میں یہ سطر لکھی ضرور دیکھی ہوگی۔ ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر اور پروپرائٹر فلاں نے فلاں پریس سے طبع کراکر فلاں پتے سے جاری کیا۔

بظاہر یہ ایک عام سا اعلان ہے لیکن اسی اعلان میں اردو اخبارات اور جرائد کی وہ پوری داستان چھپی ہوئی ہے جس سے اس کی بے سروسامانی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے یعنی عام طور پر اردو اخبار کا سب کچھ فرد واحد ہی ہوتا ہے جس کے کاندھوں پر ادارت، طباعت، اشاعت اور ملکیت کے علاوہ بعض حالات میں صفائی کی ذمے داری بھی ہوتی ہے۔ اتنے مشکل حالات اور محدود وسائل میں اخبارات و رسائل نکالنے کا کام اردو والے ہی انجام دے سکتے ہیں۔ اگر کبھی محدود ترین وسائل اور سرمایے میں اخبار نکالنے کے لیے کوئی اعزاز وضع کیا گیا تو وہ یقیناً کسی اردو اخبار یا جریدے کو ہی ملے گا۔

ایک صاحب ایک اردو اخبار کے دفتر میں صبح صبح پہنچے تو وہاں ایک شخص صفائی کر رہا تھا۔ انھوں نے پوچھا ایڈیٹر صاحب کب ملیں گے تو جواب ملا ایک گھنٹے بعد، ایک گھنٹے بعد جب یہ صاحب دوبارہ ایڈیٹر صاحب سے ملنے اسی دفتر میں پہنچے تو یہ دیکھ کر حیرت میں پڑ گئے کہ ایڈیٹر کی کرسی پر وہی شخص براجمان ہے جو ایک گھنٹے پہلے دفتر کی صفائی میں مصروف تھا۔

ان ناگفتہ بہ حالات کی روشنی میں اگر آپ اردو کے میقاتی اخبارات ورسائل کے اشاعتی مسائل کا جائزہ لیں تو اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ یہ کام یقیناً پل صراط پر چلنے جیسا ہے جس میں کامیابی کے امکانات تقریباً صفر کے برابر ہیں۔ تاہم اس سب کے باوجود جو لوگ اردو کو زندہ رکھنے کے عزم کے ساتھ اس میدان میں سرگرم عمل ہیں وہ یقیناً مبارکباد اور تحسین کے مستحق ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اردو قارئین، اردو کے سرکاری ادارے، محکمہ اشتہارات اور خود حکومت ان کے مسائل پر سنجیدگی سے غور کرکے ایسا کوئی حل ضرور تلاش کرے جس سے ان مسائل کا سدِ باب ہوسکے اور یہ اخبارات و رسائل زندہ رہ سکیں۔

Z-103, Taj Enclave, Geeta Colony, Delhi-110031

محمد شاہد حسین

ریڈیائی تحریر کی خصوصیات

برقی ترسیل میں تحریر، ترسیلی عمل کا صرف ایک حصہ ہے اور یہ ترسیلی عمل بھی اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک تحریر کی مناسب پیش کش نہ ہو جائے۔

لہجہ مطالب کی ادائیگی میں معاون بھی ہوتا ہے اور مخل بھی، لہٰذا ریڈیائی تحریر ادائے مطالب و معانی کے لحاظ سے خام ہوتی ہے، کیوں کہ خط کشید کرنے اور پنکچوئیشن کی تمام تر پابندیوں کو بروئے کار لانے کے باوجود ان مطالب کو ادا نہیں کر سکتی جو صرف کسی لفظ پر زور دے کر یا لہجے کی تبدیلی سے ادا کیے جاتے ہیں۔ تحریر یہ بھی نہیں بتاتی کہ ادائے الفاظ کی رفتار کیا ہوگی کہاں لہجہ نرم اور کہاں سخت ہوگا۔ اسی لیے تحریر خصوصاً ریڈیائی تحریر اس وقت تک بے معنی یا کم از کم مبہم رہتی ہے جب تک اسے مائیکروفون پر پیش نہ کر دیا جائے۔

ریڈیائی تحریر گفتگو یا بات چیت کا ذخیرہ ہوتی ہے اور مائیکروفون پر پیش کش گویا اس کی بازیافت ہے۔ اس مجموعی کارروائی کو سامعین پر یہ تاثر قائم کرنا چاہیے کہ مرسل اس سے گفتگو کر رہا ہے، بجائے اس کے کہ کوئی تحریر پڑھ رہا ہے۔ اس میں شبہہ نہیں کہ یہ گفتگو تحریر شدہ ہوتی ہے، پھر بھی اسے تاثر یہی دینا چاہیے کہ یہ فطری گفتگو ہے اور فی البدیہہ پیش کی جا رہی ہے۔

سوال یہ ہے کہ جب ریڈیائی تحریر گفتگو کا ہی ذخیرہ ہے اور اس کے بہت سے معانی و مطالب ادائیگی اور پیش کش پر ہی منحصر بھی ہیں تو پھر اس کے لیے اسکرپٹ کی کیا ضرورت ہے۔ کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ اس گفتگو کو مائیکروفون پر براہِ راست پیش کر دیا جائے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یقیناً یہ ممکن تو ہے مگر احتیاط کے تقاضے کے تحت ہمیشہ اس کی صلاح نہیں دی جا سکتی اس وقت بھی نہیں جب رائٹر خود ہی مرسل بھی ہو۔ اسکرپٹ تیار کر لینے کی بہت سی مناسب وجوہ ہیں مثلاً

☆ اسکرپٹ ایک احتیاطی قدم ہے اس سے یہ پتا رہتا ہے کہ ہم کیا کہنے جا رہے ہیں۔ کیوں کہ اس سے یہ نہیں معلوم ہو پاتا کہ ہم کیسے کہنے جا رہے ہیں۔

☆ اسکرپٹ یہ بتاتی ہے کہ کچھ چھوٹا نہیں ہے، تمام مباحث کا احاطہ کر لیا گیا ہے بلکہ انھیں مناسب ترتیب سے مکمل بھی کیا گیا ہے۔

☆ تحریر سامنے ہو تو الفاظ کی ترتیب بدل کر یا اس میں مناسب ترمیم و اضافہ کر کے اسے رواں یا مزید بہتر بنایا جا سکتا ہے۔

☆ اسکرپٹ تیار کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اگر ضرورت پڑ جائے تو دوسرے لوگ بھی ہمارے خیال کی ترسیل کر سکیں۔

☆ اسکرپٹ تیار کرنے کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ اسکرپٹ کے ذریعے آواز کے ہوا میں معدوم ہو جانے والے مزاج کو قائم رہنے والی شکل دے دی جائے۔

اسکرپٹ کیوں لکھیں کے بعد آیئے اس سوال پر غور کریں دیکھیں کہ اسکرپٹ میں کیا لکھیں۔ اس سلسلے میں سب سے پہلی چیز جو ترسیل کی تمام اقسام پر منطبق ہوتی ہے وہ ہے یہ فیصلہ کرنا کہ ہمیں کہنا کیا ہے۔ وہ بنیادی نکتہ کیا ہے جس کی ترسیل کرنا ہے اور اس کے ذریعے کس قسم کا تاثر قائم کرنا مقصد ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ہم اس میں سو فیصدی کامیاب نہ ہوں لیکن یہ اس سے تو بہتر ہوگا کہ ہمارے دماغ میں پہلے سے کوئی نکتہ ہی نہ ہو۔ لہٰذا جب بھی ہم کچھ لکھنے کے لیے قلم اٹھائیں تو سب سے پہلے اپنے آپ سے سوال کریں کہ کیا کہنا ہے۔ پھر جو کچھ کہنا ہے اس کے اہم نکتوں کی ایک فہرست بنالیں۔ فہرست مکمل کرتے وقت اس بات کی ضرور تسلی کر لیں کہ جو کچھ کہنا ہے اس کی تمام جزئیات اس میں آگئی ہیں، بلکہ وہ چیزیں بھی آ جائیں جو ہماری بات کی توضیح میں معاون ہو سکتی ہیں۔ پھر ان نکتوں پر منحصر خیالات کو منطقی ربط اور مناسب ترتیب کے ساتھ لکھتے چلے جائیں۔ زبانی پیش کی جانے والی چیزوں میں منطقی اور فطری ترتیب بہت اہم ہوتی ہے۔ تحریری ترسیل کی بات الگ ہے، اس میں گھما پھرا کر بھی کچھ لکھا جا سکتا ہے۔ چونکہ اس میں پورا مواد نظروں کے سامنے ہوتا ہے، لہٰذا کسی چیز کو سمجھنے کے لیے دوبارہ دیکھا اور غور کیا جا سکتا ہے لیکن گفتگو میں کسی بات کو فوراً سمجھیں یا پھر کبھی نہ سمجھیں، یہ اسی پر منحصر ہوتا ہے کہ بات کتنے

فطری و منطقی ربط و تسلسل کے ساتھ کہی گئی ہے۔

مزید یہ کہ مناسب ترتیب سے مراد ایسی ترتیب ہے جس سے بات سامعین کی سمجھ میں آسانی سے آجائے۔ مگر ایسا اس وقت تک ہونا مشکل ہے جب تک سامعین آپ کی نظر میں نہ ہوں، آیا وہ اسکول کے بچے ہوں گے، گھریلو عورتیں ہوں گی یا کار میں سفر کرتا ہوا کوئی شخص۔ اگر لکھنے سے پہلے سامعین کی تصویر ذہن میں صاف ہو تو بہت آسانی ہو جاتی ہے۔ سامعین کی تصویر ذہن میں صاف نہ ہو تو اکثر مواقع پر کشمکش پیدا ہو جاتی ہے۔ سامعین نظر میں ہوں تو دوٹوک فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ ہمیں ترسیل کرنا ہے یا نہیں کرنا ہے۔

اسی سے زبان کا مسئلہ بھی جڑا ہوا ہے۔ سامعین نظر میں ہوں گے تو انھیں کے مطابق زبان استعمال ہوگی۔ کچھ لوگ قابلیت کا رعب قائم کرنے کے لیے مشکل الفاظ استعمال کرنے کی بیماری میں مبتلا رہتے ہیں۔ مگر جہاں ابلاغ کا مسئلہ ہو وہاں مشکل الفاظ کی نہیں بلکہ مناسب الفاظ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس میں ان ہی الفاظ کو استعمال کرنا چاہیے جو روزمرہ کی فطری گفتگو کا جز ہیں، نہ کہ کتابی زبان کے الفاظ کا۔ اگر یہ بات سمجھ لی جائے کہ عوامی ترسیل میں سامعین کو متاثر کرنا اہم نہیں بلکہ معلومات، اطلاعات یا تجربات کا ابلاغ اہم ہوتا ہے تو مسئلہ بہ آسانی حل ہو جاتا ہے۔

جب ہم سامعین کو نظر میں رکھنے کی بات کرتے ہیں تو اس نکتے کو بھی نظر انداز نہیں کرسکتے کہ ریڈیو کے ذریعے فرد واحد تک ترسیل ہوتی ہے۔ گو کہ ریڈیو عوامی ترسیل کا حصہ ہے اور اس کی نشریات ہزاروں لاکھوں لوگوں تک بیک وقت پہنچتی ہیں پھر بھی آپ کے پیغام کی منزل ایک فرد ہوتا ہے۔ ریڈیو نشریات اس طرح کا اجتماعی تجربہ نہیں ہے جس طرح کسی ہال میں اکٹھا ہوئے لوگوں کا ہوتا ہے یا جس طرح کسی بڑے مجمعے کا ہوتا ہے۔ اسی لیے اس میں ایسی تراکیب کا بھی استعمال نہیں کرنا چاہیے جس میں اجتماعی خطاب ہو۔ مثلاً سامعین آپ یہ سننا پسند کریں گے۔" یا "آپ میں سے کچھ لوگوں نے دیکھا ہوگا۔" اس کے بجائے انفرادی خطاب کی تراکیب استعمال کرنا چاہئیں۔ جیسے آپ "سننا پسند کریں گے۔" یا "آپ نے دیکھا ہوگا۔" ریڈیو میں مرسل اور ایک سامع کے درمیان ترسیلی عمل وقوع پذیر ہوتا ہے۔ ہر سامع اپنے طور پر اپنے خیالات وفکر کے ساتھ تنہا ریڈیو سنتا ہے۔ یہاں اجتماعی نفسیات کے بجائے انفرادی نفسیات کارفرما رہتی ہے لہٰذا ریڈیو میں اشخاص کے بجائے شخص سے خطاب کرنا چاہیے۔ جب کوئی شخص یہ محسوس کرے گا کہ اسی سے خطاب کیا جارہا ہے تو پیغام کی اثر پذیری میں اضافہ ہو جائے گا۔

یہ واضح ہو جانے کے بعد کہ کیا کہنا ہے کس ترتیب سے کہنا اور کس سے کہنا ہے، ذرا اسکرپٹ پر بھی غور کر لینا چاہیے۔

ریڈیو یا ٹرانسسٹر سامع کے اتنا قریب ہوتا ہے کہ وہ ہاتھ کی ایک ہلکی سی جنبش سے اس کا سوئچ بہ آسانی بند کرسکتا ہے۔ ریڈیو کا سامع کتنی آسانی سے مرسل کی گرفت سے نکل جاتا ہے اس کا صرف اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ لہٰذا آپ کا پہلا جملہ اتنا دل چسپ ہو کہ سامع پر گرفت مضبوط کرلے۔ اصل موضوع تک پہنچنے میں زیادہ وقت نہ لگے۔ پھر جو کچھ کہا جائے پورے وثوق اور اعتماد سے کہا جائے۔

ریڈیو کا سنہرا اصول یہی ہے کہ اس کی تحریر کا پہلا جملہ دل چسپ ہو، دوسرا جملہ مطلع کرے، پھر اپنے نکتوں کو موضوع کے دھاگے میں تسبیح کے دانوں کی طرح پروئے چلے جایئے۔

اوپر کہا گیا ہے کہ ریڈیو تحریر کا مجموعی انداز بات چیت یا گفتگو کا ہونا چاہیے۔ لیکن گفتگو بے ڈھنگی، بے ربط، بے محل اور بازارو نہ ہو۔ اسے سنجیدہ برمحل اور باوقار ہونا چاہیے۔ ریڈیو خبرناموں کا اسلوب تو کبھی کبھی کسی قدر رسمی ہو جاتا ہے لیکن دوسرے پروگراموں کی تحریر میں ایسے الفاظ کا استعمال کرنا چاہیے جو عوام میں مقبول ہوں، اور ایسے الفاظ جن کی صحت میں شبہہ نہ ہو۔

ریڈیو تحریر کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ اسے لکھنے سے پہلے بہ آواز بلند بول کر دیکھ لینا چاہیے۔ اس سے دو باتوں کا اندازہ ہو جاتا ہے ایک تو یہ کہ جو الفاظ لکھے جارہے ہیں، ان کی ادائیگی یا تلفظ مشکل تو نہیں ہے۔ دوسرے ان کی آوازوں میں روانی اور نغمگی کتنی ہے۔ مزید یہ کہ گفتگو کے اسلوب میں جو اسکرپٹ ہوتا ہے اس کی پیش کش بھی نسبتاً آسان ہوتی ہے۔ لہٰذا اسلوب صاف و سادہ ہونا چاہیے۔ جملے چھوٹے ہوں تو بہتر ہے۔ کیونکہ چھوٹے جملے پڑھنے میں بھی آسان ہوتے ہیں اور سامعین کے سمجھنے میں بھی۔

اب رہی بات اسکرپٹ کی ہیئت کی۔ اگر ممکن ہو اسکرپٹ کو ٹائپ کرایا جائے وہ بھی دوہرے بلکہ تہرے اسپیس کے ساتھ۔ ٹائپ میں

فانٹ بڑا استعمال کیا جائے تاکہ پیش کش کے وقت پڑھنے میں آسانی ہو۔ کاغذ کے دونوں طرف مناسب حاشیہ چھوڑا جائے اس سے ترمیم و اضافے میں آسانی رہتی ہے۔ اگر اسکرپٹ ہاتھ سے لکھا ہوا ہے تو اسے اتنا صاف ہونا چاہیے کہ دوسرے پڑھنے والے کو بھی کوئی دقت نہ ہو۔ تحریر کاغذ کے ایک ہی طرف لکھی یا ٹائپ کی جائے اور اس کے لیے اچھے کاغذ کا استعمال کیا جائے۔

پیراگراف واضح ہوں اور ایک بات ایک خیال یا ایک نکتے کے بعد پیراگراف بدل دیا جائے، کسی جملے کو آدھا دوسرے صفحے پر نہ لے جایا جائے۔ اعداد کو لکھنے کے بارے میں مختلف نظریے ہیں۔ ایک نظریہ یہ ہے کہ انھیں ہندسوں میں لکھنا چاہیے۔ جیسے "اس کار کی قیمت -/240000" ہے۔ دوسرا نظریہ یہ ہے کہ انھیں الفاظ میں لکھا جائے مثلاً اس کار کی قیمت دو لاکھ چالیس ہزار روپے ہے۔" تیسرا نظریہ یہ ہے کہ انھیں دونوں میں لکھا جائے۔ حقیقتاً اس طرح کی بحثیں فضول ہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ جملے کے معنی واضح ہو جائیں خواہ کسی طرح لکھیں۔

کسی بات کو مقررہ وقت کے اندر کہہ لینا بھی بڑا فن ہے۔ لہٰذا اسکرپٹ کے ساتھ وقت کا اور اسی کے ساتھ رفتار کا مسئلہ جڑا ہوا ہے۔ یعنی ہمیں جاننا چاہیے کہ اگر پروگرام کا وقت دس منٹ ہے تو اس کے لیے اسکرپٹ کا حجم کیا ہو۔ گو کہ کسی اسکرپٹ کی مائیکروفون پر پیش کش کی رفتار سب کی ایک ہی نہیں رہتی پھر بھی ریڈیو نشریات کی اوسط رفتار 160 سے 180 لفظ فی منٹ تسلیم کی جاتی ہے۔ ایک ٹائپ کی ہوئی لائن کو بولنے یا پڑھنے میں تین سے چار سیکنڈ لگتے ہیں۔ ایک دوہرے اسپیس سے ٹائپ کیا ہوا A4 سائز کا صفحہ جس پر 27 سطریں ہوں اور جس میں تقریباً دو سو ستر الفاظ ہوں، پڑھنے میں عموماً ڈیڑھ منٹ لگے گا۔

ابتدا کی طرح کسی موضوع کا اختتام بھی بہت اہم ہوتا ہے۔ اسے فطری نتیجہ خیز اور تاثر قائم کرنے والا ہونا چاہیے۔ یہاں سامعین کو یہ محسوس ہونا چاہیے کہ بات اختتام کی طرف بڑھ رہی ہے اب یہ مکمل ہونے والی ہے۔ اسے یکایک ختم نہیں ہونا چاہیے۔ یہ اختتامیہ ہو۔ اختتام نہ ہو۔

خلاصے کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ ایسی تحریر ہے جو کانوں کے لیے ہوتی ہے۔ لہٰذا یہاں خلاصہ پیش کیا جا رہا ہے :

- ☆ فیصلہ کیجیے کہ کیا کہنا ہے۔
- ☆ اپنے نکتوں کی منطقی ربط کے ساتھ فہرست بنائیں۔
- ☆ آپ کے اسکرپٹ کی ابتدا دلچسپ اور معلوماتی ہو۔
- ☆ واحد سامع کے لیے لکھا جائے۔ جو لکھا جائے وہ واضح اور صاف ہو۔
- ☆ آپ جو کچھ لکھنا چاہتے ہیں اسے پہلے بہ آواز بلند بول لیں۔
- ☆ عام بول چال کی زبان استعمال کریں۔
- ☆ چھوٹے چھوٹے جملوں میں لکھیں۔
- ☆ اسکرپٹ کو دوہرے اسپیس میں ٹائپ کریں۔ کاغذ کے دونوں طرف مناسب حاشیہ چھوڑیں۔ پیراگراف واضح ہوں۔
- ☆ پیچیدہ کو واضح کر کے لکھیں اور یاد رکھیں کہ نشریات میں مقصد ترسیل کرنا ہے، قابلیت کا اظہار نہیں۔

CIL, School of Language Literatue of Culture Studies, JNU, New Delhi-67

مصنفین سے گزارش

☆ 'اردو دنیا' کے لیے بھیجی جانے والی تحریریں صاف اور خوش خط ہوں۔

☆ تحریروں کی اصل کاپی بھیجیں، عکس قابلِ قبول نہیں ہوگا۔

☆ مضمون، موضوع کا جامعیت کے ساتھ مکمل احاطہ کرتا ہو۔ رواروی میں لکھی گئی تحریریں بھیج کر شرمندہ نہ کریں۔

(ادارہ)

سہ ماہی **فکر و تحقیق** نئی دہلی
(علمی و تحقیقی مجلہ)
سالانہ خریدار خود بنیے اور دوسروں کو بھی خریدار بننے کی ترغیب دیجیے
زرِ سالانہ : صرف -/100 روپے
ملنے کا پتا : قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان،
ویسٹ بلاک 1، آر۔ کے۔ پورم۔ نئی دہلی-110066

سعید سہروردی

ٹیگور اور تعمیرِ وطن کی فکر

وہ صدی جو گزر گئی، خوش نصیب تھی، اس نے دو ایسی ہستیوں کا دورِ حیات دیکھا، جن کے لیے چشمِ نرگس ہزاروں برس منتظر رہتی ہے۔ مہاتما گاندھی اور "گرودیو" رابندر ناتھ ٹیگور دونوں ہم عصر تھے لیکن دونوں ایک ہی سانچے میں ڈھلے ہوئے آدمی نہیں تھے۔

مہاتما گاندھی کی سیاست پر صرف "اہنسا" کا رنگ غالب تھا۔ اس ایک رنگ نے تحریکِ آزادی کو ہزار رنگ دیے۔ چرچل کے الفاظ میں "نیم برہنہ فقیر" کے سامنے برطانوی سامراج کی سنگینیں کند ہو گئیں، بندوق، توپ اور جبر کے سارے اسلحے بے اثر ہوئے۔

رابندر ناتھ ٹیگور کی واحد ذات میں ہزار رنگ اس طرح جمع ہوئے تھے کہ ہر رنگ کی شناخت آسانی سے ہو سکتی تھی۔ شاعر، مصور، افسانہ نگار، ناول اور ڈرامہ نویس، سنگیت اور رقص میں باکمال، ان ساری صفات کے ساتھ ساتھ وہ مفکر، فلسفی اور ماہر تعلیم بھی تھے۔

عوام ان کو دو حوالوں سے جانتے ہیں: وہ نوبل پرائز پانے والے واحد ہندستانی ادیب ہیں۔ ان کی نظموں کے مجموعے "گیتانجلی" کے لیے یہ انعام ان کو 1913 میں ملا تھا ان نظموں کا ترجمہ انھوں نے خود بنگلہ سے انگریزی میں کیا تھا۔ اس اعزاز کے بعد 1915 میں برطانیہ نے ان کو "سر" کا خطاب دیا لیکن 1919 میں جلیان والا باغ، امرت سر میں قتل عام کے خلاف بطور احتجاج انھوں نے برطانوی اعزاز واپس کر دیا۔ اس احتجاج کی وجہ سے مغرب میں ان کی شہرت کو دھکا لگا۔ اور برطانیہ اور امریکہ میں ان کو "وشوبھارتی" یونی ورسٹی کے قیام کے لیے فنڈ جمع کرنے میں کافی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔

ہندستان کے قومی ترانے "جن من گن" کے خالق کی حیثیت سے بھی عوام ٹیگور کو جانتے ہیں۔ جب انھوں نے برطانیہ کے ولی عہد کا خیر مقدم کرنے کے لیے یہ گیت لکھا تھا تو شاید ان کو خود بھی یہ احساس نہیں تھا کہ ان کا "ممدوح" کوئی اور نہیں ان کا اپنا وطن ہے۔ یہ واقعی ایسا قومی ترانہ ہے جو ملک کے سارے علاقوں کو ایک رشتہ اتحاد میں پروتا ہے۔ اس میں جو خلوص، جذبہ اور عزم ہے، وہ ہر ہندستانی کے دل کی دھڑکنوں میں سما جاتا ہے۔ ٹیگور نے جب "آمار سونار بنگلہ" (ہمارا سنہرا بنگال) لکھا تھا تو ان کو اس بات کا پتا نہ تھا کہ ایک دن کا یہ نغمہ ایک نو بنگلہ دیش کا قومی ترانہ بن کر ان کے دلوں کو سرشار کرے گا۔ ٹیگور کا نام اور ادب ہندستان اور بنگلہ دیش کو جوڑنے والی، پائدار اور لازوال کڑی ہے۔ رابندر ناتھ ٹیگور کے فکر و فن اور ان کی شخصیت کا کوئی پہلو شاید ایسا نہیں جس پر تفصیل سے نہ لکھا گیا ہو۔ مثلاً ٹیگور کی طرز میں نثر لکھنا فخر کی بات سمجھی جاتی تھی۔ اردو ادب کا ایک دور وہ تھا جب "ٹیگوری نثر" لکھنا باعثِ تقلید تھا۔ یہ شاعرانہ نثر زیادہ موثر اور دیرپا نہ ہو سکی کیونکہ اردو شاعری کا اثر اتنا وسیع اور گہرا ہے کہ نثر کو شاعری سے قریب لانے یا شاعری کے رنگ میں ڈھالنے کی کوشش عام طور پر منہ چڑانے جیسی بات لگتی ہے۔

ٹیگور کو شانتی نکیتن میں ان کی قائم کردہ "وشوبھارتی" یونی ورسٹی کے بانی کی حیثیت سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ یہ ایک فنکار کی اپنے جمالیاتی شعور کو تعلیم کے تجربے میں ڈھالنے کی کوشش ہے جس نے ہندستان کے فنی اور ثقافتی ورثے میں قابلِ قدر اضافہ کیا ہے۔

شانتی نکیتن اور "وشوبھارتی" کی جدید ہندستان میں وہی حیثیت ہے جو مغل دورِ متوسط میں تاج محل کی ہے۔ فرق یہ ہے کہ تاج محل موت کے بعد ایک رشتے کی یادگار ہے جب کہ شانتی نکیتن نئے احساس اور عالمی شعور رکھنے والے انسان کو پیدا کرنے کے لیے تجربہ گاہ ہے۔ تاج محل اور "وشوبھارتی" میں وہی فرق ہے جو مقبرے اور درسگاہ میں ہو سکتا ہے۔

نئے ہندستان کو ایسی درسگاہ کی ضرورت تھی، جو صحیح معنوں میں ہندستانی کردار کی تعمیر کر سکے، ایسا ہندستانی کردار جو روایتی خوبیاں اور خصوصیات رکھنے کے ساتھ جدید دور کی ضروریات سے باخبر ہو۔ بہت کم لوگ یہ جانتے ہیں کہ اس درسگاہ کو اپنے خوابوں کے مطابق بنانے میں رابندر ناتھ ٹیگور کو کتنی سخت آزمائشوں سے گزرنا پڑا۔

ٹیگور کو یہ احساس تھا کہ اگر ادارے کی تعمیر و تشکیل کے لیے انھوں نے برطانوی حکومت سے مالی مدد حاصل کرنے کی کوشش کی تو فیصلے کی آزادی ان کے ہاتھوں سے نکل جائے گی۔ اس نکتے کی وضاحت کرتے ہوئے انھوں نے ایک خط میں لکھا تھا: "کوئی میرے پیروں میں زنجیر نہیں ڈال سکتا۔"

جس دن سے انھوں نے درس گاہ قائم کرنے کا خواب دیکھا اور اپنے خواب کو حقیقت میں ڈھالنے کی کوشش شروع کی، اس دن کے بعد انھیں ہمیشہ تنگ دستی سے سابقہ پڑا۔ ان کا درسگاہ قائم کرنے کا عزم سر سید کی جدوجہد سے زیادہ سخت اور صبر آزما ثابت ہوا۔ پیرانہ سالی کے باوجود فنڈ جمع کرنے کے لیے وہ اپنے طلبہ کی مدد سے ڈرامے اور ڈانس ڈرامے اسٹیج کرتے تھے، لیکن ہر طریقہ اور ہر تدبیر استعمال کرنے کے باوجود ان کی جھولی خالی رہتی تھی۔

رابندر ناتھ ٹیگور کو وطن کی تعمیر نو کی کتنی فکر تھی، اس کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ انھوں نے اپنے سب سے بڑے بیٹے رتھندر ناتھ ٹیگور اور اپنے دوست کے بیٹے سنتوش چندر کو امریکہ زراعت اور مویشی پالن پڑھنے کے لیے بھیجا تھا۔ اس وقت دونوں کی عمر صرف سترہ اٹھارہ برس تھی۔ یہ 1905 کی بات ہے۔ اس زمانے میں امیروں کے لڑکے قانون پڑھ کر بیرسٹر بننے یا آئی۔ سی۔ ایس کے امتحان میں شرکت کے لیے انگلینڈ کا رخ کرتے تھے۔ جو کسی وجہ سے انگلینڈ جانا نہیں پسند کرتے تھے، وہ جرمنی، جاپان یا فرانس کی راہ لیتے تھے۔ زراعت اور مویشی پالن کا علم حاصل کرنے کی بات عام روش سے بالکل الگ تھی۔ سونے پر سہاگہ یہ کہ امریکہ جانے کا خیال مشکل اور محال سمجھا جاتا تھا۔ طویل بحری سفر نے اسے اور زیادہ دور دراز کی بات بنادیا تھا۔

آخر رابندر ناتھ ٹیگور نے ساری دشواریوں کے علم کے باوجود اپنے بڑے بیٹے اور اپنے عزیز دوست کے بیٹے کو زراعت اور مویشی پالن کی تعلیم کے لیے امریکہ کیوں بھیجا؟

ٹیگور کو یہ تکلیف دہ احساس تھا کہ ہندستان زراعتی ملک ہے، پھر بھی آئے دن یہاں عوام کو قحط اور خشک سالی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ان کی نظر میں قانون سے زیادہ ملک کو جدید زراعت اور مویشی پالن کی تعلیم کی ضرورت ہے۔ کچھ دنوں کے بعد ٹیگور نے اپنے داماد نریندر ناتھ گنگوپادھیائے کو بھی اسی مقصد کے تحت امریکہ بھیجا تھا۔

پہلی بار انھوں نے 1912 میں اپنی بہو پرتما دیوی کے ساتھ امریکہ کا سفر کیا تھا۔ اس وقت ان کی عمر پچاس برس سے زیادہ تھی۔ ان کو نوبل پرائز نہیں ملا تھا وہ زیادہ مشہور نہیں تھے۔ نیویارک سے انھوں نے اربانہ کا قصد کیا جہاں ان کے بیٹے رتھندر ناتھ زیر تعلیم تھے۔

ٹیگور نے ہندستان کے باہر اپنا پہلا لیکچر وہاں دیا۔ وہ راجہ رام موہن رائے کے برہمو سماج کے ہم خیال تھے، جس پر یونی ٹیرین چرچ کا اثر تھا۔ اربانہ کی یونیٹیرین چرچ میں انھوں نے اپنے بنگلہ مضامین کا ترجمہ انگریزی میں لیکچر کی صورت میں پیش کیا۔

اربانہ ایک چھوٹا سا قصبہ تھا۔ وہاں کے سامعین نے ان کا لیکچر غور سے سنا اور پسند کیا۔ اس کے بعد وہاں سے وہ شکاگو گئے اور راچسٹر (نیویارک) میں مذاہب کی کانفرنس میں شرکت کی۔ وہ یہ ارادہ کر کے گئے تھے کہ اپنے بیٹے کی ڈاکٹریٹ کی تکمیل تک امریکہ میں قیام کریں گے، لیکن صرف چھے مہینے وہاں رہنے کے بعد بے لطفی محسوس کرنے لگے۔

امریکہ میں قیام کے دوران "وشو بھارتی" کے بارے میں ان کا تصور تبدیل ہوگیا۔ پہلے وہ "برہم چریہ آشرم" قائم کرنا چاہتے تھے۔ امریکہ میں قیام کے بعد انھوں نے طے کیا کہ وہ شانتی نکیتن میں یونی ورسٹی قائم کریں گے، جس میں ٹیکنکل تعلیم کا بندوبست ہوگا، اسپتال ہوگا، تجربہ گاہ ہوگی، جہاں ان کے بیٹے رتھندر ناتھ تحقیق اور تجربے کریں گے۔

یونی ورسٹی کے قیام کی تحریک میں ان کے دوست سائنس ٹیچر جگدانند رائے بھی شامل ہوگئے۔ 1916 میں جب ان کو امریکہ آنے کی دعوت ملی تب تک نوبل پرائز ملنے کے سبب وہ کافی مشہور ہو چکے تھے۔ ان کی تحریروں کا یورپ کی کئی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا تھا۔ ان کے ساتھ تھے ہندستان کے دوست سی۔ ایف۔ اینڈریوز، ولیم پیرسن اور مکل ڈے جو اس وقت ایک نوجوان مصور تھے۔ امریکہ کا یہ دورہ بنیادی طور پر "وشو بھارتی" شانتی نکیتن کے لیے فنڈ جمع کرنے کے لیے تھا۔ اس مقصد کے لیے وہ مختلف مقامات پر لیکچر دیتے تھے۔

اس دورے کے بارے میں ایک خط میں انھوں نے لکھا:

"میں سفر کرتا ہوں، بولتا ہوں، کماتا ہوں، خرچ کرتا ہوں۔"

ٹیگور نے تقریباً سو برس پہلے تعلیم میں ماحول کی ضرورت اور اہمیت کو شدت سے محسوس کیا اور شانتی نکیتن کے روپ میں اس کا ایک نمونہ پیش کیا۔ انھوں نے آزادی سے بہت پہلے زراعت اور مویشی پالن کی طرف توجہ کی اور اس سمت میں عملی قدم اٹھایا۔

راجستھان اور گجرات کی حالیہ خشک سالی نے ایک بار پھر ٹیگور کے تعمیر وطن کے تصور کی یاد تازہ کردی ہے۔ موجودہ دور میں یہ بے حد ضروری ہوگیا ہے کہ ہم ماحول کی طہارت کا احساس بیدار کریں۔ زراعت کی خوشحالی کے لیے پانی کے ہر قطرے کی قدر کریں۔ یہی فلاح کی راہ ہے۔

375-B, Pocket-2,
Mayur Vihar Phase-1, Delhi-110091

دھرم سروپ نکرا

انگریزی سے منظوم تراجم

چند اہم نظمیں

بقائے عشق

ترے شباب کی اُٹھتی ہوئی یہ رنگینی
ترے جمال کی یہ دلکشی، یہ ناز و ادا!
جو میری آنکھوں میں ہر وقت رقص کرتی ہے
جسے میں دیکھتے ہی دیکھتے نہیں تھکتا
جو میری بانہوں میں ہے آج لیکن کل تک
وہ ایک سایا سا رہ جائے بن کے رفتہ کا
نظر میں میری تو قائم رہے گی پھر بھی وہی
شگفتہ تازگی و دلکشی، کہ پیار مرا
ہے اُس جمالِ درخشاں سے تیرے، جس کی ہے
بس ایک ہلکی جھلک حسنِ دلکشا تیرا!

بدن کے پھول کو مُر بھانا ہوتا ہے اک دن
ہے پھول پیار کا لیکن سدا ترو تازہ
اُبھرتا رنگِ شباب و جمالِ تابندہ
نہیں ہے پیار کا محدود مختصر عرصہ
کہ پیار ہوتا چلا جاتا ہے وسیع و وسیع
حسیں سے اور حسیں ہوگا یہ ترا چہرہ
لگے گی اور بھی پیاری مجھے تری صورت
جو نور پیار کا اس رخ سے تیرے برسے گا
جو سچا پیار کیا ہے کبھی کسی دل نے
وہ پیار زندۂ جاوید ہے، نہیں مٹتا
وہ پیار پیار ہے سورج مکھی کا سورج سے
وہ ایک سا ہے طلوع و غروب میں رہتا

— طامس موُر

Believe Me, If All, Those Endearing Young Charms

Believe me, if all, those endearing young charms,
Which I gaze on so fondly today,
Were to change by to-morrow, and fleet in my arms,
Like fairy-gifts fading away,
Thou wouldst still be adored, as this moment thou art,
Let thy loveliness fade as it will,
And around the dear ruin each wish of my heart
Would entwine itself verdantly still.

It is not while beauty and youth are thy own,
And thy cheeks unprofaned by a tear,
That the fervour and faith of a soul can be known,
To which time will make thee more dear,
No, the heart that has truly loved never forgets,
But as truly loves on to the close,
As the sun-flower turns on her god, when he sets,
The same look which she turned when he rose.

- Thomas Moore

سرودِ عرش مقام

کمالِ جذب کی تنویرِ پاک سے ہی کلام
کوی کا بنتا ہے شیریں سرود عرش مقام
کمالِ جذب ہے اک موجِ نورِ حسنِ ازل
وہ موج ہست، محبت ہے جس کا میٹھا نام
نہیں ہے شعر، جو تضحیک و بذلہ سنجی سے
گرائے بجلیاں، آہنگِ لفظ و معنی پہ

Song Divine

Charm is the glory which makes
Song of the poet divine,
Love is the fountain of charm,
How without charm wilt thou draw,
Poet! The world to thy way?

Not by the lightnings of wit---
Not by the thunder of scorn!
These to the world, too, are given;
Wit if possesses, and scorn---
Charm is the poet's alone,
Hollow and dull are the great,
And artists envious, and the mob profane,
We all know this, we know!
Cam'st thou from heaven, O child
Of light! But this to declare?
Alas, to help us forget
Such barren knowledge awhile,
God gave the poet his song.

- Matthew Arnold.

لگاؤ ہجو کا بھی شعریت سے کوئی نہیں
کہ شورِ ہجو تو کم مائیگی کا ہے مظہر
جہاں میں نفرت و تفریق کی نہیں ہے کمی
جہاں کی عظمت و شوکت، جو اِن پہ ہے مبنی
وہ کھوکھلی ہے، وہ عاری ہے امن و راحت سے
نہ ہے یہ دنیا تری اور نہ یہ سرشت تری
کہ تو ہے نور نژاد و سرور پروردہ
تو اپنے شعر میں حسن و جمال فطرت کا
اُبھار نور بداماں، سرور ہست بسر
یہی ہے جلوۂ کل گیر، ہاں، محبت کا
تجھے ہوئی ہے سعادت سرودِ حق کی عطا
سُنا اے شاعرِ جلوت، ترانہ وحدت کا
تو کر دے ظلمتِ زعمِ انا، بشر کی فنا
رگوں میں گھول دے رس نغمہ محبت کا

- میتھیو آرنلڈ

She Walks In Beauty

She walks in beauty, like the night
Of cloudless climes and starry skies;
And all that's best of dark and night
Meet in her aspect and her eyes;
Thus mellow'd to that tender light
Which heaven to gaudy day denies.

One shade the more, one ray the less,
Had half impair'd the nameless grace
which waves in every raven tress,
Or softly lightens ov'r her face;
Where thoughts serenely sweet express
How pure, how dear their dwelling place;

And on that cheek, and o'er that brow,
So soft, so calm, yet eloquent,

خرامِ ناز

فضا ہو صاف، ستاروں سے آسماں ہو جڑا
خرامِ ناز میں شب کی حسینہ ہو سرشار،
جمال تیرا فضائے حیات میں میری
اسی طرح سے رواں ہے بکھیر تا انوار
بسا ہے نور بدن میں ترے، ستاروں کا
اور آنکھ میں تری رقصاں ملاحتِ شبِ تار
وجود میں ترے نرمی و ناز کی شب کی
نصیب ہوتی نہیں اُجلے دن کو جوز نہار
تو رنگ و نور کا ہے وہ مجسمہ کامل
ہے وہ لطافت و رعنائی حسن میں تیرے
کہ کم ہو ایک کرن تیرے روئے روشن کی
سیاہی یا ترے گیسو کی رتی بھر اُبھرے
تو پاک ہیں نگہہ شوق کو لگے گا یوں
کہ بُت تراشی میں فطرت کی رہ گئی ہے کسر،
میں نام تو نہیں دے سکتا اس لطافت کو
بسائے آنکھوں میں، کہتا ہوں اپنے من میں مگر
ہے کتنی پیاری یہ صورت، یہ موہنی مورت
جمالِ پاک میں اس کے، نجانے خالق نے
بھری ہے کتنی کشش اور کتنی شیرینی
جو بستی نبستی چلی جارہی ہے دل میں مرے
بنی ہے غنچۂ رخسار یہ لطافتِ حسن

The smiles that win, the tints that glow,

But tell of days in goodness spent,

A mind at peace with all below,

A heart whose love is innocent.

- Lord Byron

دمک رہی ہے جبینِ خوش آب پر تیری،
ہے کتنی نرم و دلآرام، لیک کتنی بلیغ
کرن کرن میں اُبھرتی ہوئی دلآویزی
ترے تبسمِ رنگیں میں یہ لطافتِ جاں
ہے اک دمکتی جھلک اُس سرورِ تاباں کی
جو دمبدم ہے رواں تیرے حُسنِ زاول میں
جو موجِ نیک خیالی ہے روحِ رخشاں کی
جو من میں تیرے بنی ہے سکون و امنِ حیات
جو تیرے حسن کی معصومیتِ سادہ ہے
وہ سادگی کہ ہے ماحول جس سے پاکیزہ
مری نگاہ میں جو صنعِ حق کا جلوہ ہے

- لارڈ بائرن

The Bohemian Hymm

In many forms we try

To utter God's infinity.

But the boundless has no form,

And the Universal Friend

Doth as far transcend

An angel as a worm.

The great Idea baffles wit,

Language falters under it,

It leaves the learned in the lurch;

Nor art, nor power, nor toil can find

The measure of the eternal Mind,

Nor hymn, nor prayer, nor church.

- Ralph Waldo Emerson

نشانِ بے نشاں

انیک صورتوں میں اُس کو باندھتے ہیں ہم
جو اسم و جسم سے بالا ہے بے نیازِ زماں
تصور اُس کا نہیں بند عقل و دانش میں
ہے اس کے سامنے عاجز کمالِ لفظ و بیاں
صنم گری و نقاشی و شعر و موسیقی
خیالِ محض سے اُس کے ہیں بے خود و حیراں
نہ زورِ ترک و ریاضت، نہ تابِ طاعت و زُہد
دکھاتے ہیں اُسے محسوس و جامد و عریاں
فرشتے کرمکِ شب تاب، سامنے اس کے
ہیں دیوتا سبھی اُس کے جلال سے رخشاں
جو "کن فکاں" میں درخشاں ہوا، دوامِ رضا (1)
سمو سکے گا وہ ادراکِ بے بصر میں کہاں
ہے اُس میں بس کہ اُسے پانا ہی، وصالِ حق
نہیں ہے ذاتِ احد میں دوئی کا کوئی نشاں

- رالف والڈو ایمرسن

□□□

8, Munirka Marg, Vasant Vihar, New Delhi-110057

(1) Eternal Mind (شعورِ جاوداں) کے لفظی ترجمے سے شانِ الٰہی میں فرق آ جاتا ہے، اس لیے میں نے "دوامِ رضا" لکھا ہے، حق و رضائے حق ایک ہیں، رضا کا "کن فکاں" سے ظہور اضافہ ہے۔

قومی اردو کونسل نے نہ صرف حوالہ جاتی بلکہ اعلیٰ درجات کی ضرورتوں کے مطابق درسی کتابیں شائع کی ہیں۔
طلبہ و اساتذہ کے لیے خصوصی رعایت۔ تاجرانِ کتب کو حسبِ ضوابط کمیشن۔
پتا: قومی اردو کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک۔1، آر۔کے۔پورم، نئی دہلی-110066

گوپی چند نارنگ

املا نامہ

مقدمہ طبعِ اوّل سے اقتباس

آزادی کے بعد املا کی اصلاح و تنظیم کی طرف پھر سے توجہ ہوئی۔ کئی ذہنوں نے ان مسائل کو وہیں سے لیا جہاں ڈاکٹر عبدالستار صدیقی نے انھیں چھوڑا تھا۔ نیز یہ احساس بھی عام ہوا کہ املا کے بارے میں سوچتے ہوئے محض صوتیات ہی سے نہیں، سماجی لسانیات سے بھی مدد لینی چاہیے۔ زبان کی صوتیات اس کی سماجیات سے ہٹ کر کوئی معنی نہیں رکھتی۔ بعض حضرات نے اُردو رسم الخط کو خالص صوتی بنیادوں پر ڈھالنے میں یہی غلطی کی تھی۔ ڈاکٹر جافر حسن کا صوتی املا (جس کی سیّد ہاشمی فرید آبادی اور سیّد اختر حسین رائے پوری نے بھی کسی حد تک تائید کی تھی) چونکہ اُردو کے تاریخی ارتقا اور سماجی ضرورتوں کا اتنا احساس نہیں رکھتا تھا جتنا ضروری ہے، نیز اس میں رواج اور چلن سے بھی صرفِ نظر کیا گیا تھا، اس لیے جزوی طور پر بھی قبول نہ ہو سکا۔ زبان کے معاملے میں صدیوں کے چلن اور سماجی ضرورتوں اور عام استعمال سے مُنہ نہیں موڑا جا سکتا۔ سجّاد مرزا اور ہارون خاں شروانی نے اردو ٹائپ اور طباعت کے لیے جو کوششیں کیں (اردو رسم خط اور طباعت، حیدر آباد، 1957) ان میں بالواسطہ طور ہی پر سہی، املا کے نکات بھی زیرِ بحث آئے۔ اردو املا کے نام سے غلام رسول نے ایک کتابچہ 1960 میں حیدر آباد سے شائع کیا۔ عبدالغفار مدھولی نے اپنے تدریسی تجربوں کی بنا پر اردو املا کا آسان طریقہ رائج کرنے کے لیے متعدد تحریریں لکھیں اور اسی نام سے 1963 میں دہلی سے ان کا ایک کتابچہ بھی شائع ہوا۔ اس زمانے میں سید احتشام حسین اور آل احمد سرور نے بھی بعض اصلاحات کے لیے ذہنی فضا تیار کرنے میں مدد دی۔ ڈاکٹر گیان چند جین اور راقم الحروف نے اپنے مضامین میں صحتِ املا کے لیے جامع سائنسی اصولوں کو اپنانے کی اہمیت پر زور دیا۔ رشید حسن خاں بھی املا کے مسائل پر برابر غور فکر کرتے رہے اور لکھتے رہے۔ 1973 میں ترقی اردو بورڈ نے ڈاکٹر سید عابد حسین کی صدارت میں املا کمیٹی مقرر کی۔ راقم الحروف اور رشید حسن خاں اس کے رکن مقرر کیے گئے۔ رشید حسن خاں اردو املا پر اپنی کتاب لکھنے میں مصروف تھے۔ کمیٹی کی متعدد نشستوں میں ڈاکٹر عبدالستار صدیقی اور انجمن کی کمیٹی اصلاح رسم خط کی مجوزہ اصلاحات اور دوسرے مسائل پر غور و خوض ہوا، بنیادی اصول طے کیے گئے اور سفارشات مرتب کرنے کا کام راقم الحروف کو سونپا گیا۔ رشید حسن خاں نے اردو املا پر عالمانہ اور مبسوط کتاب لکھی جس میں بنیادی اصولوں کی وضاحت کی گئی، مختلف عنوانات کے تحت ضروری الفاظ کی فہرستیں شامل کی گئیں اور لغات میں پائے جانے والے انتشار اور غلط نگاری کا تفصیلی جائزہ لے کر ترجیحی صورتوں کا تعین کیا گیا۔ لیکن واضح رہے کہ یہ کتاب ایک فردِ واحد کا کام ہے۔ کمیٹی نے اُن کے کام اور اُن کے مشوروں سے استفادہ کیا، لیکن جس طرح کمیٹی نے ڈاکٹر عبدالستار صدیقی اور انجمن کی کمیٹی اصلاح رسم خط کی کئی اصلاحات کو رد کر دیا، رشید حسن خاں کی بعض باتوں سے بھی کمیٹی باوجود کوشش کے متفق نہ ہو سکی اور املا نامہ میں متعدد سفارشیں اُن سے ہٹ کر کی گئیں۔

املا نامہ طبعِ اوّل (1974) میں زیادہ تر ان اصلاحات کو اپنایا گیا جو انجمن ترقی اردو کی کمیٹی اصلاح رسم خط (44-1943) نے پیش کی تھیں یا جن کی وضاحت ڈاکٹر عبدالستار صدیقی اپنے مضامین اور تحریروں میں کرتے رہے تھے۔ ترقی اردو بورڈ کی املا کمیٹی کو بعض مقامات پر بنیادی نوعیت کا اختلاف تھا جس کی نشان دہی کر دی گئی مثلاً وہ اصلاحات جو انقلابی تبدیلیوں پر مبنی تھیں، جیسے مصدر یا کسی صیغے کے آخر میں جو نا، تا وغیرہ آتے ہیں، وہ مادّے سے جدا کر کے لکھے جائیں، جیسے لکھ نا، لکھ تی، لکھ تے، لے نا، اُٹھ تیں، بھیج وانا، دے تا۔ یا بالکل کو بلکل یا خوش کو خش لکھا جائے، یا نونِ غُنّہ کو منفصل لکھا جائے، جیسے پھان س، بان س، سن گھاڑے۔ یا ی کو بھی مثلِ الف اور واؤ الگ لکھا جائے، جیسے بی ن، بئ ن، بئ ر، پی ر، پئ ر، پھی ر۔ یا یہ کہ عربی کے ہم

آواز حروف جن کی تین یا چار شکلیں آتی ہیں، ان کو گھٹا کر صرف دو شکلوں پر اکتفا کیا جائے یعنی ث، ص، س میں سے ص کو اور ز، ذ، ض اور ظ میں سے ذ اور ض کو حذف کر دیا جائے۔ یا ہمزہ جب منفصل حرف کے بعد آئے تو بالکل جدا لکھا جائے۔ جیسے لاءی، جاءی، داءرہ، کوءی، سوء یاں، زاءل، قاءل، طاءر، زاءد، ساءی، آءی، یا مصیبت کو مصی بت، گھر کنا کو گھ رک نا، اور قرینہ کو قری نہ لکھا جائے؛ یاڑھ کو ڑہ، ڈھ کو ڈہ یعنی بالا کرہ رتی بجائے دھرتی، ادہ ورا بجائے ادھورا لکھا جائے۔ ایسی تبدیلیاں چونکہ رواج اور چلن میں نہیں آسکتی تھیں، اور نا قابلِ عمل تھیں، اس لیے ان کو نظر انداز کر دیا گیا۔

مقدمہ طبعِ ثانی سے اقتباس

املا نامہ کا پہلا ایڈیشن دو ہزار کی تعداد میں 1974 میں شائع ہوا تھا اور ہاتھوں ہاتھ نکل گیا۔ املا نامہ کا جو پُر جوش خیر مقدم کیا گیا اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس مسئلے پر توجہ کی کتنی شدید ضرورت تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہندستان اور پاکستان میں یہ مسئلہ سب کی نگاہوں کا مرکز بن گیا اور رسائل و جرائد میں بحثوں اور تبصروں کا تانتا بندھ گیا۔ املا نامہ کے سلسلے میں بالعموم املا کمیٹی کو مبارک باد دی گئی اور ترقی اردو بورڈ کے اس اقدام کی ستائش کی گئی۔ لیکن جہاں املا نامہ کے سائنسی انداز، اختصار اور جامعیت کی داد دی گئی اور کہا گیا کہ "یہ ایک وقیع کمیٹی کی سفارشات ہیں جن کی حیثیت سنگِ میل کی ہے اور قدم قدم پر رہنمائی کا حق ادا کیا گیا ہے" وہاں سخت سے سخت تنقید بھی کی گئی اور بعض سفارشات سے اختلافات کرتے ہوئے ان پر نظر ثانی کا مطالبہ کیا گیا۔ بالخصوص مولانا عبدالماجد دریا بادی، ڈاکٹر صفدر آہ، پروفیسر ہارون خاں شیروانی، مولانا شہاب مالیر کوٹلوی، سیّد بدرالحسن، حیات اللہ انصاری، پروفیسر گیان چند جین، علی جواد زیدی، سید شہاب الدین دسنوی، ڈاکٹر خلیق انجم، حسن الدین احمد، ڈاکٹر شکیل الرحمان، ڈاکٹر عبدالستار دلوی، راج نرائن راز، کرشن موہن، ڈاکٹر عابد پشاوری، ڈاکٹر مرزا خلیل احمد بیگ، ڈاکٹر علیم اللہ حالی، ڈاکٹر سیفی پریمی، رشید نعمانی اور وقار خلیل نے کئی کئی قسطوں میں نہایت بے لاگ تحقیقی تبصرے لکھے اور علمی تجزیے کا حق ادا کیا۔ ان میں سے بعض تبصرے پاکستان کے رسائل نے بھی نقل کیے۔ املا نامہ کے آخر میں چونتیس اہم تبصروں کا گوشوارہ درج ہے، اور عمومی آرا کی تلخیص بھی دے دی گئی ہے تاکہ اس ردِ عمل کا اندازہ کیا جاسکے جو املا نامہ کی اشاعت سے ہوا۔ تمام مبصرین کا شکریہ واجب ہے کہ انھوں نے انتہائی محنت اور دلسوزی سے اس مسئلے پر توجہ صرف کی۔ یہ حقیقت ہے کہ ادھر کسی چھوٹی کتاب پر اتنے تبصرے نہیں لکھے گئے جتنے املا نامہ پر لکھے گئے۔

ڈاکٹر عبدالعلیم مرحوم جنھوں نے اپنے شوقِ خاص سے اور شہباز حسین، سابق پرنسپل پبلیکیشنز آفیسر کے توجہ دلانے سے اس کام کا آغاز کیا تھا، املا نامہ پر تبصروں کی فائل مجھ کو بھجوا کر فرمائش کی کہ ان تبصروں کی مدد سے ہر سفارش کے بارے میں نام بنام اختلافی نکات کی رپورٹ تیار کر دوں تاکہ املا نامہ پر نظر ثانی کا کام شروع کرایا جاسکے۔ یہ اختلافی رپورٹ املا نامہ کے کل صفحات سے کسی طرح کم نہیں تھی۔ اب کی علیم صاحب نے املا کمیٹی کی توسیع کی اور پہلی کمیٹی کے تین اراکین کے علاوہ پروفیسر مسعود حسین خاں، حیات اللہ انصاری، مالک رام، پروفیسر گیان چند جین، پروفیسر خواجہ احمد فاروقی، پروفیسر محمد حسن، ڈاکٹر خلیق انجم اور سیّد بدرالحسن کو بھی شرکت کی دعوت دی۔ ڈاکٹر سیّد عابد حسین مرحوم بوجہ علالت شرکت نہ فرما سکے اور پروفیسر گیان چند جین صرف ایک جلسے میں شریک ہو سکے، لیکن جین صاحب کا مفصل تبصرہ کمیٹی کے پیشِ نظر رہا۔ اگرچہ اُس زمانے میں ڈاکٹر عبدالعلیم کی صحت خراب رہنے لگی تھی، اس کے باوجود انھوں نے ہر اجلاس کی صدارت کی ذمہ داری کو پوری دلجمعی سے انجام دیا، اور گھنٹوں بحثوں میں حصہ لیا۔ اس توسیع شدہ کمیٹی کے تین پُر جوش اجلاس رام کرشنا پورم میں علیم صاحب کے دفتر میں منعقد ہوئے، تھوڑا سا کام باقی تھا کہ اچانک بلاوا آگیا اور علیم صاحب نے داعیِ اجل کو لبیک کہا۔ چنانچہ یہ کام جوں کا توں دھرا رہا۔ کئی برس کی خاموشی کے بعد جب ترقی اُردو بیورو کے ڈائرکٹر کی حیثیت سے شمس الرحمٰن فاروقی کا تقرر ہوا تو علاوہ دوسرے کاموں کے، املا کی معیار بندی پر بھی توجہ ہوئی، اور اس بارے میں انھوں نے ورکشاپ کے انعقاد کا فیصلہ کیا۔ چونکہ عربی سے متعلق کچھ امور تصفیہ طلب تھے، اس لیے ڈاکٹر نثار احمد فاروقی سے بھی مشورہ کیا گیا۔ اس ورکشاپ کے تین بھرپور اور طویل اجلاس ترقی اردو بیورو کے دفتر میں منعقد ہوئے جو صبح سے شام

تک جاری رہے۔ ہر ہر سفارش کو بار بار دیکھا اور پرکھا گیا۔ املانامہ طبعِ اوّل کی سفارشات، انجمن ترقی اردو کی کمیٹی اصلاح رسم خط کی اصل تجاویز، ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کے بنیادی کام، رشید حسن خاں کی تصنیف، حفیظ الرحمان واصف کی تنقیدی کتاب اور املا سے متعلق ڈاکٹر ابو محمد سحر اور دیگر حضرات کے مضامین، تبصروں اور بحثوں کو سامنے رکھا گیا۔ چلن، استعمالِ عام اور مروجہ طریقوں کو پوری اہمیت دی گئی اور خاصے غور و خوض اور بحث و تمحیص کے بعد انتہائی معروضی طور پر فیصلے کیے گئے، اور جہاں جہاں ضروری تھا لسانی و صوتی توجیہہ کو انتہائی مختصر طور پر لیکن واضح الفاظ میں درج کر دیا گیا۔ کئی جگہ اصولوں اور قاعدوں میں ترمیم و تنسیخ کی گئی۔ بعض توجیہات بدل گئیں، بعض مقامات پر از روئے اصل حک و اصلاح کی گئی تو بعض جگہ چلن اور رواج کو بنیادی حیثیت دینے کی وجہ سے تبدیلی کرنی پڑی، کئی شقیں حذف کر دی گئیں، چند ایک کا اضافہ بھی ہوا، اور کچھ گوشواروں کو یکسر بدل دینا پڑا۔ غرض املانامہ کے نظر ثانی شدہ ایڈیشن میں ترمیم و تنسیخ اور اصلاح و اضافے کا عمل جگہ جگہ دکھائی دے گا اور یہ ضروری بھی تھا۔ ورکشاپ کے جلسوں کی صدارت شمس الرحمن فاروقی نے کی۔ اگر وہ دلچسپی نہ لیتے تو یہ کام خدا جانے کب تک سرد خانے کی زینت بنا رہتا۔ انھوں نے اور ڈاکٹر نثار احمد فاروقی نے اہم مشورے دیے۔ رشید حسن خاں تمام بحثوں میں شریک ہوئے۔ انھیں بعض نکات پر اصرار تھا لیکن کمیٹی نے ان سے اختلاف کیا۔

اس وضاحت کی بہر حال ضرورت ہے کہ املانامہ طبع اوّل ہو یا زیرِ نظر ترمیم شدہ ایڈیشن، سفارشات کی اصل وہی ڈاکٹر عبدالستار صدیقی اور مولوی عبدالحق کا کام اور انجمن ترقی اردو کی اصلاح رسم خط کمیٹی کی رپورٹ ہے۔ (مقدمہ طبع اوّل میں اس طرف اشارہ بھی کیا گیا تھا کہ "زیادہ تر ان اصلاحات کو اپنایا گیا جو انجمن ترقی اردو کی کمیٹی اصلاح رسم خط (1943-44) نے پیش کی تھیں۔") خود رشید حسن خاں نے اعتراف کیا ہے "میں نے ایسی کوئی بات نہیں کہی ہے جو میری تصنیف ہو۔ اس میں وہ باتیں ہیں جو پہلے کہی یا لکھی جا چکی ہیں۔ ان کو میں نے یک جا کیا ہے۔" (انٹرویو اردو تحقیق اور املا کے مسائل" خبر نامہ بہار اردو اکادمی، مئی 1989، ص 4) حقیقت یہ ہے کہ بعد کے آنے والوں نے زیادہ تر انھیں بنیادوں پر عمارتیں اُٹھائی ہیں اور بقول سید شہاب الدین دسنوی "اکثر و بیشتر غیر ضروری مواد اور ضرورت سے زیادہ طویل اقتباسات سے صفحات بڑھا دیے ہیں۔" (نوائے ادب، اپریل 1975 ص 74) دراصل بنیادی چیز تصورات ہیں۔ اصول (Normative) ہوتے ہیں جو لاتعداد بکھرے ہوئے اور بظاہر الگ الگ حقائق کو ایک کلیے کے تحت لاکر منظم کر دیتے ہیں، تاکہ سچائی کا نچوڑ ایک دو جملوں میں آجائے، اور لفظوں کی سینکڑوں، ہزاروں شکلوں پر ان کا اطلاق ہو سکے۔

املانامہ

اردو املا میں یکسانیت اور باقاعدگی لانے کے لیے
لسانی ماہرین پر مشتمل کمیٹی کی سفارشات —
نظر ثانی شدہ ایڈیشن

مرتب: پروفیسر گوپی چند نارنگ

صفحات: 129، قیمت: 9.00

اردو ادب کی تنقیدی تاریخ

سیّد احتشام حسین

اردو ادب کی تمام اصناف کا مختصر مگر جامع تعارف، تاریخی حوالوں کے ساتھ طلبہ کے لیے بہ طور خاص کار آمد —

چوتھا ایڈیشن

صفحات: 334، قیمت 70.00

اردو انسائیکلوپیڈیا جلد سوم سے اقتباس

فلکیات یا علم ہیئت

مختصر تعارف

فلکیات یا علم ہیئت طبیعی علوم کی وہ شاخ ہے جس میں فلکی اجرام کے مقاموں اور حرکتوں پر اور ان حرکتوں کے قوانین پر غور کیا جاتا ہے۔ اس علم میں اجرامِ فلکی کی شکلوں، وسعتوں، طبیعی حالتوں، کمیتوں، اندرونی بناوٹوں، سطحی کیفیتوں، باہمی کششوں اور ان اجرام سے نکلنے والی شعاعوں اور فلکی اجرام کی گذشتہ تاریخ اور آئندہ تشکیل یعنی ارتقا پر بحث کی جاتی ہے۔

قدیم زمانے کے ہیئت داں فلکی اجرام کو دو گروہوں میں تقسیم کرتے تھے۔ ایک گروہ میں ثابت ستارے لیے جاتے تھے جو اپنے مقام نہیں بدلتے ہیں اور خاص خاص شکلوں کے تارا منڈل (Constellations) بناتے ہیں۔ دوسرے گروہ میں ثابت ستاروں کے بمقابلے اپنے مقام بدلنے والے اجرامِ فلکی یعنی سیارے (Planets) عطارد (Mercury)، زہرہ (Venus)، مریخ (Mars)، مشتری (Jupiter) اور زحل (Saturn) لیے جاتے تھے۔ تب انھی سیاروں میں سورج اور چاند بھی شمار کیے جاتے تھے۔ ہفتے کے سات دن ان ہی سات اجرامِ فلکی کے نام پر رکھے گئے ہیں۔ اس دوسرے گروہ کے فلکی اجرام آہستہ آہستہ اپنا مقام ایک پٹی پر بدلتے معلوم پڑتے ہیں۔ قدیم زمانے کے خیال کے مطابق کائنات کے مرکز پر زمین ساکن سمجھی جاتی تھی۔ یہ خیال چھٹی صدی قبل مسیح ہی میں یونانی علما کے یہاں ملتا ہے کہ زمین ایک کرہ ہے جو کائنات کے مرکز پر ساکن ہے اور کائنات کی سرحد ایک بہت بڑے کھوکھلے کرہ کی اندرونی سطح پر ہے جس پر ستارے نگینوں کی طرح جڑے ہوئے ہیں۔

ستاروں کے روزانہ طلوع اور غروب کی تشریح کے لیے انھوں نے یہ نظریہ پیش کیا کہ ساوی کرہ جس کی اندرونی سطح پر ستارے جڑے ہوئے ہیں، زمین کے مرکز میں سے گزرنے والے ایک ثابت محور کے گرد روزانہ ایک چکر لگاتا ہے۔ یہ بھی خیال کیا گیا کہ غیر ثابت ستارے یعنی سیارے زمین اور ساوی کرے کی اندرونی سطح کی درمیانی فضا میں حرکت کرتے ہیں۔ کائنات کے متعلق یہ تصور تقریباً دو ہزار سال تک قائم رہا۔ اسی زمانے کا ایک اہم مسئلہ یہ تھا کہ غیر ثابت سات (7) عدد فلکی اجرام کی مشاہدہ کی ہوئی حرکتوں کی توضیح کی جائے۔ اس مسئلے کے حل کے سلسلے میں ممتاز یونانی ہیئت داں بطلیموس (Ptolemy) نے یہ نظریہ پیش کیا کہ سیارے زمین کے گرد گول مداروں پر گھومتے ہیں۔ ان مداروں کی ترتیب مرکز زمین سے بڑھتے ہوئے فاصلوں کے لحاظ سے ہے یعنی پہلے چاند کا مدار پھر عطارد، زہرہ، سورج، مریخ، مشتری اور زحل کے مدار یکے بعد دیگرے واقع ہیں۔

بعد ازاں 1543 میں کوپرنیکس (Copernicus) نے ایک انقلاب انگیز نظریہ پیش کیا جس کی رو سے سورج کائنات کے مرکز پر ثابت مانا گیا اور بقیہ غیر ثابت اجرامِ فلکی یعنی سیارے سورج کے چاروں طرف گردش کرتے ہیں۔ زمین بھی ایک سیارہ ہے اور چاند زمین کے گرد ایک تابع یا مصاحب (Satellite) کی طرح حرکت کرتا ہے۔ کوپرنیکس نے یہ بھی خیال پیش کیا کہ زمین نہ صرف لامتحرک سورج کے چاروں طرف گردش کرتی ہے بلکہ اپنے مرکز میں سے گزرنے والے ایک محور پر بھی گھومتی ہے اور روزانہ ایک چکر مکمل کر لیتی ہے۔ اس محور کی سمت فضا یا مکان میں قائم ہے۔ زمین کے محورِ گردش کی سمت وہی ہے جو ساوی کرے کے محور کی ہے۔ زمین کی یہ روزانہ گردش ہی دراصل ستاروں اور سورج کے روزانہ طلوع و غروب کی موجب ہے۔ بعد میں کی ہوئی تحقیقات سے کوپرنیکس کے نظریے کی تصدیق ہوئی ہے۔ اب ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ چند سیاروں کے اطراف میں چھوٹے اجرام جو توابع (Satellites) کہلاتے ہیں اسی طرح گردش کرتے ہیں جس طرح سورج کے گرد سیارے چکر لگاتے ہیں۔ چاند زمین کا تابع (مصاحب) ہے۔ سورج سے بڑھتی ہوئی دوری

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نے اردو انسائیکلوپیڈیا کی تین جلدیں شائع کی ہیں جن میں کلیدی مضامین شامل ہیں۔ مختصر نوشتوں کی نو جلدیں شائع ہوگئی ہیں۔ مزید جلدیں پریس میں ہیں۔ پہلی جلد 300روپیے قیمت کی ہے۔ باقی نو کی قیمت 450 روپیے فی جلد ہے۔ ان صفحات میں پیش ہے انسائیکلوپیڈیا جلد سوم سے اقتباس۔

کے لحاظ سے نو عدد بڑے (Principal) سیارے عطارد، زہرہ، زمین، مریخ، مشتری، زحل، یورینس (Uranus)، نیپچون (Neptune) اور پلوٹو (Pluto) ہیں جو سورج کی منعکس (Reflected) روشنی سے چمکتے ہیں۔

ان نو عدد بڑے سیاروں کے علاوہ ہزاروں چھوٹے سیارے جن کو سیارچے (Asteroids) بھی کہتے ہیں، دمدار ستارے (جھاڑو تارے) اور شہاب ثاقب (Meteor) بھی سورج کے چاروں طرف گردش کرتے ہیں۔ سورج اور اس کے کل مصاحبین کے اس گروہ کو نظامِ شمسی کی اصطلاح سے موسوم کیا جاتا ہے۔ سورج دراصل ستاروں کے انبوہِ کثیر کا ایک ممبر ہے۔ دوسرے الفاظ میں سورج ایک ستارہ ہے وہ نہایت گرم گیس کا ایک کرہ ہے، جس کا قطر 14 لاکھ کلو میٹر ہے، کمیت کے لحاظ سے زمین کا تقریباً تین لاکھ گنا ہے اور زمین سے 15 کروڑ کلو میٹر کے فاصلے پر ہے۔ چند ستارے سورج کے مقابلے میں بہت بڑے ہیں اور چند بہت چھوٹے ہیں۔ ستارے مختلف رنگوں کے ہوتے ہیں۔ سورج زرد (پیلا) ستارہ ہے۔ نیلے ستارے سورج سے زیادہ گرم ہوتے ہیں اور سرخ ستارے سورج کی بہ نسبت کم گرم ہوتے ہیں۔ ستارے ایک دوسرے سے نہایت وسیع فاصلوں پر واقع ہیں۔ ہم سے قریب تر ستارہ اتنی دور پر واقع ہے کہ اس سے نکلی ہوئی روشنی تقریباً 5 سال میں ہم تک پہنچتی ہے۔ بالفاظ دیگر یہ ستارہ ہم سے 5 نوری سال کے فاصلے پر ہے۔

1917 میں شیپلے (Shapley) نے یہ بتایا کہ ستاروں کے مابین (بین النجوم) فضا بالکل خالی (Empty) نہیں ہے بلکہ اس میں کثیر مقدار میں گیس اور گرد (Dust) کے بادل موجود ہیں جن کی کثافت بہت کم ہے۔ لطیف مادے کے یہ بادل قریب کے ستاروں کی روشنی سے چمکتے ہیں اور منور سحاب (Nebule) کہلاتے ہیں۔ ستارے اکثر دوہرے اور کمزور کوکبی نظاموں پر مشتمل ہوتے ہیں۔

ہماری کہکشاں تقریباً 1.11 ستاروں پر مشتمل ہے۔ بیسویں صدی کے ابتدائی سالوں تک یہ سمجھا جاتا تھا کہ سورج کہکشاں کے مرکز پر واقع ہے۔ 1917 میں شیپلے کی تحقیقات سے یہ معلوم ہوا کہ سورج کہکشاؤں کے مرکز سے کافی فاصلے پر واقع ہے۔ ہماری کہکشاں میں ایک مرکزی کرہ نما خط ہے جس کے اطراف میں ستاروں کا ایک چپٹا قرص ہے۔ کہکشاں کا قطر تقریباً ایک لاکھ نوری سال ہے (ایک نوری سال، فاصلے کی اکائی ہے جو ("95x10 کلو میٹر کے برابر ہے۔) ہماری کہکشاں کے مرکز سے سورج یعنی نظام شمسی 30 ہزار نوری سال کے فاصلے پر واقع ہے۔

جدید بصری دوربینوں کی مدد سے ہم فضا کے ان خطوں کا مشاہدہ کر سکتے ہیں جو ہم سے 200 کروڑ نوری سال کی دوری پر واقع ہیں۔ اس سے زیادہ دوری پر واقع اجرام کا پتا ریڈیائی دوربین (Radio Telescope) کی مدد سے چلایا جاتا ہے۔ کائنات کی عظیم وسعت کا تصور قائم کرنے کے لیے انسانی ذہن کی پرواز سے پورا پورا کام لیا جارہا ہے۔

سائنس کی عام ترقی میں علم ہیئت کا بہت اہم حصہ رہا ہے۔ سیاروں کی حرکتوں کے مشاہدوں سے نیوٹن نے قوانینِ حرکت اور تجاذب کا عظیم انکشاف کیا جو جدید ٹیکنالوجی (Technology) کے بہت بڑے حصے کی اساس ہے۔ بہت سے ریاضیاتی تکنیکی طریقے جو انجینئر روزانہ استعمال کرتے ہیں پہلے پہل ہیئتی مسائل حل کرنے کے لیے ایجاد کیے گئے تھے۔ ہیئتی مسائل حل کرنے کے سلسلے میں ہیئت دانوں نے زیادہ تر علم المناظر (Optics) کی ابتدا اور نشو و نما میں حصہ لیا ہے۔

ان تحقیقات سے نہ صرف دوربین کی ایجاد ہوئی بلکہ خوردبین کی بھی ایجاد ہو سکی جس کو طب اور ہیئت کے علاوہ دیگر علوم میں اہمیت حاصل ہے۔ ستارے اور سحاب طبیعی تجربہ خانے ہیں جہاں مادے پر واقع ہونے والے ایسے مناظر کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے جو کسی ارضی تجربہ خانے میں عام تجربوں کی کیفیت سے بہت شدید ہوتے ہیں۔

عنصر ہیلیم (Helium) کا سب سے پہلا انکشاف سورج کے مشاہدوں سے ہوا۔ نظریہ اضافیت کو، جس نے طبیعیات کے تصورات میں اس صدی میں ایک اہم انقلاب پیدا کیا ہے، عام مقبولیت ہیئتی جانچوں کی تصدیق کے ذریعے حاصل ہوئی ہے۔

بیسویں صدی میں علم ہیئت کا ایک حیرت انگیز کارنامہ یہ معلومات بھی ہے کہ سورج اور دیگر ستاروں کی توانائی کا سرچشمہ یا منبع تھرمونیوکلیر (Thermonuclear) ایٹمی توانائی ہے۔ یہ تصور نیوکلیائی طبیعیات (Nuclear Physics) کے تجربوں کا محرک ہوا ہے اور اس توانائی سے استفادے کی طرف رہنمائی ہوئی ہے۔

حال ہی میں یعنی 1960 تا 1970 میں پراسرار اجرامِ فلکی معلوم کیے گئے ہیں جو کوئیسار (Quasar) کہلاتے ہیں۔ سائنسدانوں کے لیے فکر آزما (Challenging) مسائل پیش کیے ہیں۔ یہ ریڈیائی موجوں کے بہت قوی سرچشمے ہیں۔ یہ نہایت دور واقع ہوتے ہیں۔ اب تک دریافت شدہ اجرامِ فلکی میں کوئیسار منور ترین منبع سمجھے جاتے

ہیں۔ایک اور قسم کے اجرام جو حال ہی میں معلوم کیے گئے ہیں ارتعاشی ستارے یا پلسار (Pulsar) ہیں جن سے خارج ہونے والی توانائی کی مقدار (Energy out-put) تیزی سے بدلتی رہتی ہے۔ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ پلسار کثیف ستارے ہیں جو کوکبی دھماکے کی وجہ سے یعنی سوپرنووا (Supernova) کے وجود میں آنے سے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ان کی توانائی کا یہ تغیر شاید اس وجہ سے ہوتا ہے کہ وہ دھماکے کے بعد تیزی سے گردش کرنے لگتے ہیں۔

حال میں ہیئت دانوں نے سیاہ سوراخ (Blackholes) کہلانے والے اجسام کے وجود کا مفروضہ بھی پیش کیا ہے۔ان اجسام کی کثافت اس قدر زیادہ ہے کہ ان سے فرار ہونے کے لیے روشنی کی رفتار بھی کافی نہیں ہے۔ بہ الفاظ دیگر ان اجسام کا تجاذب روشنی کو بھی خارج نہیں ہونے دیتا۔ بدیں وجہ یہ اجسام نظر نہیں آسکتے لیکن ان کے قرب میں دوسرے اجسام پر ان کے تجاذبی اثر کے ذریعے سے ان سیاہ سوراخوں کا پتا چلایا جاسکتا ہے۔

روایتاً علم ہیئت کو کئی شاخوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ مندرجہ ذیل میں ہم ان شاخوں کی مختصر تعریف کریں گے:(1) عملی فلکیات کا تعلق ہیئتی آلات کی بناوٹ استعمال اور مشاہدات کے طریق کار سے ہے۔

(2) ستاروں کے محل وقوع سے متعلق فلکیات کی شاخ ہیئتی پیمائش (Astrometry) کہلاتی ہے۔ اس میں فلکی اجرام کے مقاموں اور حرکتوں پر بحث کی جاتی ہے۔ اس کی ایک ذیلی شاخ کروی فلکیات ہے۔ جس میں فلکی اجرام کے مقاموں اور حرکتوں کا بہ لحاظ آسمان کے پس منظر (Background) کے مطالعہ کیا جاتا ہے۔

(3) بحری علم ہیئت (Nautical Astronomy) میں عملی اور کروی علم ہیئت پر جہاز رانی کی ضروریات کے مطابق بحث کی جاتی ہے۔

(4) حرکیاتی فلکیات (Dynamical Astronomy) میں فلکی اجرام کی حرکتوں پر ان اجرام کے باہمی تجاذبی کششوں کی بنا پر غور وخوض کیا جاتا ہے۔ اس شاخ کے ذیلی حصے سماوی میکانیات اور کوکبی حرکیات ہیں۔ سماوی میکانیات میں زیادہ تر سیاروں اور چاند کی حرکتوں پر میکانیات کے اصولوں کے اطلاق کی مدد سے بحث کی جاتی ہے۔ کوکبی حرکیات میں کوکبی خوشوں اور کہکشاں میں ستاروں کی حرکتوں پر حرکیاتی اصولوں کے اطلاق کے ذریعے غور کیا جاتا ہے۔

(5) فلکی طبیعیات (Astro-Physics) میں ہیئتی مسئلوں کے حل کے لیے جدید طبیعیات کے اصولوں سے کام لیا جاتا ہے۔اس میں فلکی اجرام کے طبیعی خواص سے ان کی ضیا اور طیوف (Spectra) سے ان کے (Atmosphere) فضائی سطحوں سے ان کے اندرونی حصوں سے اور ان اجرام کے ارتقا سے بحث ہوتی ہے۔ فلکی طبیعیات کی تشکیل بذریعہ ہیئتی مشاہدات یعنی فوٹوگرافی طیف بینی اور فوٹو پیمائی کی مدد سے کی گئی ہے۔

(6) ریڈیائی فلکیات (Radio Astronomy) فلکیات کی وہ شاخ ہے جس میں فلکی اجرام کا مطالعہ ان اجرام سے خارج ہونے والی ریڈیائی موجوں کے مشاہدے سے کیا جاتا ہے۔

(7) نظریۂ تخلیق کائنات (Cosmogony) میں فلکی اجرام اور بالخصوص ستاروں اور نظامِ شمسی کی تکوین کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔

(8) کائناتیات (Cosmology) میں مجموعی حیثیت سے کائناتی اجرام کے باہمی تعلق اور ارتقا (Evolution) کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔

حال ہی میں فضائی تلاش کاری (Space Exploration) کافی دلچسپی کا باعث رہی ہے۔ 20/جولائی 1969 کی تاریخ قابلِ یاد ہے جب کہ انسان پہلی دفعہ چاند پر اترا تھا۔ فلکیاتی جہاز رانی میں فضا میں منضبط (Controlled) طریق سفر کے مختلف پہلوؤں پر غور کیا جاتا ہے۔ اس علم میں راکٹوں (Rockets) کے پھینکے جانے، مصنوعی توابع (Satellites)، چاند اور سیاروں کی تحقیق کے لیے سواری گاڑیوں (Vehicles) اور ان کے سفر کے مسئلوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔

فلکیات سب سے قدیم علم ہے۔ چند ہی صدیوں پیشتر تک یہ خیال کیا جاتا تھا کہ ستاروں اور سیاروں کی حرکتیں قوموں کی بہبودی اور افراد کے سوانح حیات سے مربوط ہیں۔ انسانی معاملات پر فلکی اجرام کے مفروضہ اثرات کا مطالعہ جیوتش یا علم نجوم (Astrology) کہلاتا ہے۔ جس طرح سے جدید کیمیا کی ابتدا الکیمیا یعنی کیمیاگری سے ہوئی اسی طرح "علم نجوم" جدید فلکیات کا پیش رو ہے۔

ہماری تعلیم میں فلکیات کو بہت اہمیت حاصل ہونی چاہیے۔ اس علم کے ذریعے فضا اور وقت میں مادی کائنات کی نہ صرف (بہت بڑی) وسعت کا احساس ہوتا ہے، بلکہ اس کلیے کی بنا پر کہ ہر مقام پر ایک ہی قسم کے طبیعی قوانین عمل آرا ہوتے ہیں، کائنات کی لازمی وحدت بھی ظاہر ہوتی ہے۔ خاص طور سے سائنس کے ایک طالب علم کے لیے کائنات میں انسان کے مقام، کائنات پر قادر قوت اور اس کی تخلیق سے پیدا شدہ اہم فلسفیانہ مسئلے بھی قابلِ غور وخوض ہیں۔

سلمان عابد

کیریر گائیڈنس

سائنس داں، ڈاکٹر اور انجینئر بننے کے مفت مواقع

(فیلوشپ اسکیم)

حصولِ علم و ہنر ایک لازمہ ہے اور اس کے بغیر چارہ نہیں۔ خوشی ہے کہ اس حقیقت سے آج کی نسل بہتر طور پر واقف ہو رہی ہے اور اس کے مطابق عمل کے لیے کوشاں بھی ہے۔ اس حقیقت کا بھی آج ہمیں خوب علم ہے کہ حصولِ علم و ہنر کتنا مہنگا ہو گیا ہے۔ مگر یہ معلوم ہونا چاہیے کہ جہاں طالب علم بہت زیادہ باصلاحیت ہے، ذہین ہے اور تعلیمی مدارج میں زیادہ نمبروں کا حامل ہے تو پھر ایسے طالبِ علم کو پڑھائی کی مہنگائی کے بارے میں فکرمند نہیں ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ ایسے طلبہ کی ہمت افزائی کے لیے بیسیوں وظائف، اسکالرشپ، فیلوشپ اور تعلیمی قرضہ جات سے متعلق کئی کئی سرکاری و خانگی اسکیمیں رائج ہیں۔

اس کے علاوہ ہمیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ علم و ہنر سے آراستہ کرنے کی غرض سے مختلف سطحوں اور بنیادوں پر حکومتوں، رضاکار اداروں، ٹرسٹوں اور تنظیموں نے کئی اسکیمیں جاری کی ہیں۔ بس اتنا ہمیں کرنا ہے کہ ان سے واقفیت بروقت ہو اور وقت پر approach کریں۔ طبقاتی، لسانی، علاقائی اور مذہبی اور موضوعاتی بنیادوں پر کئی کئی اسکالرشپ فراہم ہیں۔ ان میں ایسے اسکالرشپ بھی ہیں کہ طالبِ علم کو داخلے سے لے کر کورس کے آخری مرحلے تک کوئی مالی مشکل اٹھانا نہیں پڑتی اور سارے اخراجات بہ طور اسکالرشپ ادارہ برداشت کرتا ہے۔ ایسے اسکالرشپ بھی ہیں جن کے تحت ماہانہ وافر رقم فراہم کی جاتی ہے تاکہ طالبِ علم کی فیس، کتب اور دیگر اخراجات ادا ہو سکیں۔ ایسے اسکالرشپ بھی ہیں جو سالانہ اساس پر دیے جاتے ہیں۔

یہاں ہم طالبِ علموں کی سہولت کی خاطر ایسے اسکالرشپ فیلوشپ کا ذکر کر رہے ہیں جو سائنسی مضامین پڑھنے والوں کے لیے مختص ہیں۔ ان اسکالرشپ کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ کورس کی تکمیل تک ماہانہ / سالانہ بنیاد پر دیے جائیں گے۔ یہ اسکالرشپ تمام ہندستانیوں کے لیے جو ہندستان میں پڑھ رہے ہیں فراہم ہیں۔ دسویں جماعت سے ان اسکالرشپس کا آغاز ہوتا ہے۔ تین طرح کے فیلوشپ اسکالرشپ فراہم ہیں۔

(I) بیسک سائنس (II) انجینئرنگ (III) میڈیسن۔

I- پہلے زمرے میں تین درجوں کے طلبہ درخواست دینے کے اہل ہیں (1) دسویں جماعت کامیاب (2001 میں کامیاب ہونے والے) (2) بارھویں جماعت کامیاب (2001 میں کامیاب ہونے والے) اور انڈر گریجویٹ پروگرام تعلیمی سال 2001 میں داخلہ حاصل کرنے والے طلبہ (3) وہ طلبہ جو بی ایس سی سالِ اوّل 2001 میں مکمل کر رہے ہوں۔

I (i)- دسویں جماعت 2001 میں کامیاب کرنے والے طلبہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ کم از کم اگریگیٹ 75 فی صد نشانات کے ساتھ دسویں جماعت کا بورڈ امتحان سائنسی مضامین سے کامیاب کیے ہوں (یا اس کے مماثل امتحان)۔ ایسے طلبہ کو یہ بھی چاہیے کہ یہ سائنسی مضامین (گروپ) کے ساتھ 10+2 میں داخلہ لے رہے ہوں۔ ان طلبہ کے لیے ماہانہ -/2000 روپے دیے جائیں گے۔ ساتھ ہی گیارھویں اور بارھویں جماعت کے دوران سالانہ 4000 روپے Contingency Grant کے طور پر دیے جائیں گے۔

I (ii)- وہ طلبہ جنھوں نے بارھویں جماعت کامیاب کر لی ہے / کر رہے ہوں، اور انڈر گریجویٹ سائنسی پروگرام میں تعلیمی سال 2001 میں داخلہ حاصل کرنے والے ہوں انھیں ماہانہ 3000 روپے ادا کیے جاتے رہیں گے ساتھ میں 6000 روپے سالانہ Contingency Grant کے طور پر بارھویں کے بعد سے ایم ایس سی تک ادا کیے جاتے رہیں گے۔ ایسے طلبہ کو چاہیے کہ وہ بارھویں جماعت امتحان میں کم از کم 75 فی صد نشانات سے کامیابی حاصل کیے ہوں اور جو BSc یا Integrated MSL پروگرام کیمسٹری فزکس، میتھ میٹکس / اسٹاٹسٹکس یا بائیولوجیکل سائنس، یا بی میتھس، بی اسٹاٹ میں داخلہ لے رہے ہیں۔

I (iii)- وہ طلبہ جنھوں نے انڈر گریجویٹ سائنسی پروگرام (BSc) کا سالِ اوّل مکمل کر لیا ہے یا جو مکمل کر رہے ہیں، تعلیمی سال

2001 میں۔ ان طلبہ کے لیے میں ماہانہ 3000 روپے اور سالانہ 6000روپے گرانٹ کے طور پر ایم ایس سی کی تکمیل تک ادا کیے جاتے رہیں گے۔ ان طلبہ کے لیے بھی فی صد اور دیگر شرائط وہی ہیں جو اوپر مذکور ہیں۔

انتخاب کا طریقہ: ان فیلو شپ کی منظوری کے لیے سب سے پہلے تو بورڈ امتحان میں طالب علم کے نمبر اور نتیجہ دیکھا جاتا ہے۔ تقریباً ایک ہزار طلبہ کو تحریری امتحان کے لیے طلب کیا جاتا ہے جنھوں نے دسویں جماعت مکمل کر لی ہے۔ ان میں 400 ایسے طلبہ کو جنھوں نے Written Aptitude Test بھی کامیاب کر لیا ہے انٹرویو کے لیے طلب کیا جاتا ہے اور اسی طرح وہ طلبہ جو ڈگری سالِ اوّل میں پڑھ رہے ہیں اور جنھوں نے مذکورہ تحریری امتحان پاس کیا ہے، اوّل نمبرات حاصل کرنے والے 100 طلبہ کو انٹرویو کے لیے طلب کیا جائے گا۔ انٹرویو کی بنیاد پر انھیں فیلو شپ کے لیے منتخب قرار دیا جائے گا۔

II انجینئرنگ: (i) بارھویں جماعت کامیاب اور انجینئرنگ میں داخلہ حاصل کیا جارہا ہو۔ (ii) وہ طلبہ جو انجینئرنگ سالِ اوّل مکمل کر چکے / کر رہے ہوں۔

II (i) بارھویں کامیاب: فیلو شپ کے لیے دوسرا زمرہ انجینئرنگ کے لیے ہے۔ وہ طلبہ جنھوں نے بارھویں جماعت کامیاب کرلی ہے اور BE/BTech/B.Arch کے سالِ اوّل میں داخلہ حاصل کرلیا ہے یا اب داخل ہو رہے ہوں (تعلیمی سال 2001)، ایسے طلبہ کے لیے یہ لازم ہے کہ انھوں نے بارھویں جماعت میں سائنسی مضامین کے ساتھ کم از کم 75 فی صد اگریگیٹ حاصل کیے ہوں۔ انھیں ماہانہ 3000 روپے اور سالانہ 6000 روپے گرانٹ کے طور پر اس وقت تک ملیں گے جب تک کہ ان کا ME/M.Tech/B.Arch کے سالِ اوّل میں داخلہ حاصل کر لیا ہے یا اب داخل ہو رہے ہوں (تعلیمی سال 2001)۔ ایسے طلبہ کے لیے یہ لازم ہے کہ وہ بارھویں جماعت سائنسی مضامین کے ساتھ کم از کم 75 فی صد اگریگیٹ حاصل کیے ہوں۔ انھیں ماہانہ 3000 روپے اور سالانہ 6000 روپے گرانٹ کے طور پر اس وقت تک ملیں گے جب تک کہ ان کا ME/M.Tech/M.Arch مکمل نہ ہو جائے۔

انتخاب کا طریقہ: اس فیلو شپ کے لیے طالبِ علم پر یہ لازم ہے کہ وہ ایک مخصوص پروجیکٹ کی تکمیل کرے جو KVPY کی جانب سے دیا جائے گا۔ اس پروجیکٹ کی تفصیلی تنقیح کے بعد 150 طلبہ کو انٹرویو کے لیے طلب کیا جائے گا اور یہی مرحلہ انتخاب کا آخری مرحلہ ہوتا ہے۔

II (2)۔ انجینئرنگ سال دوم کے لیے: اس زمرے میں دوسری قسم کی فیلو شپ ان طلبہ کے لیے ہے جنھوں نے BE/B.Tech/B.Arch سالِ اوّل کی تکمیل کر لی ہے (سال 2001 میں) اور 10+2/ بارھویں جماعت میں سائنس ٹیکنکس میں جن کا اگریگیٹ 75 فی صد ہو اور ساتھ ہی سالِ اوّل میں درجہ اوّل یا اس کے مماثل نتیجے سے کامیابی حاصل کی ہو، ایسے طلبہ کے لیے ماہانہ 3 ہزار روپے اور سالانہ -/6000 روپے Contingency Grant کے بطور دیے جائیں گے۔ یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک کہ M.Arch/ME/M.Tech مکمل نہ ہو جائے۔ اس کے لیے انتخاب کا بھی وہی طریقہ کار ہے جو اوپر (II.(i)) مذکور ہوا ہے۔

III۔ میڈیسن: اس زمرے کے تحت فیلو شپ کے حق دار وہ طلبہ ہوں گے جنھوں نے انٹرمیڈیٹ سائنس میں اگریگیٹ 75 فی صد نشانات حاصل کیے ہوں، ایم بی بی ایس / بی ڈی ایس میں داخلہ حاصل کر لیا ہے اور سالِ اوّل پروفیشنل امتحان (یکم نومبر 2000 اور 31/ اکتوبر 2001) مکمل کر لیا ہو۔ ایسے طلبہ کے لیے فیلو شپ کے طور پر ماہانہ 3000 روپے اور 6000 روپے Contingency Grant سالانہ دیے جائیں گے۔ یہ فیلو شپ اسی طرح ایم بی بی ایس / بی ڈی ایس کورس کی تکمیل تک جاری رہے گی۔

انتخاب کا طریقہ: اس فیلو شپ کے لیے KYPY Project کی تکمیل ضروری ہے۔ اس پروجیکٹ میں کارکردگی اور درخواست کی تنقیح کے بعد 150 طلبہ کو انٹرویو کے لیے طلب کیا جاتا ہے۔ یہی انٹرویو فیلو شپ کے انتخاب کے لیے آخری مرحلہ ہوگا۔

فیلو شپ کی تعداد: ملک گیر سطح پر فراہم کی جانے والی اس فیلو شپ کی تعداد بھی مقرر کر دی گئی ہے۔ سارے ملک سے طلبہ درخواست گزار ہوں گے مگر اس میں سب سے اعلیٰ اچھے اور سابقتی رینک (نشانات) کے حامل طلبہ کا انتخاب کر کے ان ہی کو اس سے استفادہ کے مواقع فراہم ہوں گے۔ پہلے زمرے (Basic Sciences) کے لیے جو دسویں جماعت بارھویں جماعت اور ڈگری سالِ اوّل میں شامل طلبہ کے لیے مختص ہے، صرف 120 فیلو شپ دیے جائیں گے۔ دوسرے زمرے (Engineering) کے لیے صرف 25 فیلو شپ اور اسی طرح تیسرے اور آخری زمرے (Medicine) کے لیے 25 فیلو شپ دیے جائیں گے۔ اس تعداد سے

To,
The Convener
Kishore Vaigyanik Protsahan Yojana (KVPY)
Indian Institute of Science, Bangalore-560012.

Madam,

Sub: KVPY - 2001

Please send me an application form for KVPY fellowship for the stream indicated below. Demand Draft of Rs.75/- (Rupees seventy five only) towards processing costs is enclosed. DD No.................................... dated............................ and drawn on............................ Bank. (Note: Draft should be drawn in favour of **SID A/c KVPY payable at Bangalore**).
Note: Please tick ONLY **ONE** box below indicating which application form you require. Students completing XII standard who wish to apply for fellowships in Basic Sciences and Engineering must submit separate requisitions. Multiple ticked requisitions will not be honoured and there will be no refund of application processing fee.

Basic Sciences:
☐ I am completing X Standard in 2001.
☐ I am completing XII Standard and intend joining Science undergraduate programme in 2001.
☐ I am completing Ist year of Science undergraduate programme in 2001.

Engineering:
☐ I am completing XII Standard and intend joining I year B.E./B.Tech./B.Arch. in 2001.
☐ I am completing Ist Year of B.E./B.Tech./B.Arch. in 2001.

Medicine:
☐ I am completing the first professional examination in M.B.B.S./B.D.S. between Ist November 2000 and 31st October 2001.

Date : **(NAME AND SIGNATURE)**

WRITE YOUR POSTAL ADDRESS IN DUPLICATE BELOW IN BLOCK LETTERS

Name	Name ....
Address	Address ....
....	....
....	....
City .... Pin Code	City .... Pin Code ....

اندازہ ہوگا کہ ان فیلو شپس کے لیے ملک گیر سطح پر کس قدر مسابقت کا سامنا ہوگا۔

فیلو شپ کی مجموعی رقم: فیلو شپ کے طور پر ماہانہ اور سالانہ کے بہ شمول رقم جو طالبِ علم کو فراہم ہوگی وہ ہر زمرے کے لیے علاحدہ ہے۔ پہلے زمرے میں شامل دسویں کامیاب اور انٹر کامیاب طلبہ کے لیے اپنا کورس مکمل ہونے تک گویا56,000روپے مل سکیں گے۔ اس زمرے کے تحت ڈگری سالِ اوّل کامیاب طلبہ تقریباً 2,000,00روپے مل سکیں گے جو ایم ایس سی کی تکمیل کی مدت تک ہوں گے۔ دوسرے زمرے کے تحت انجینئرنگ طلبہ کے لیے ان کے ایم ٹیک کی تکمیل تک تقریباً2,52,000روپے دستیاب ہو سکیں گے اور سب سے آخری زمرے کے تحت میڈیسن کے لیے کورس کی تکمیل تک ایک طالبِ علم کو رقم 2,52,000روپے کے لگ بھگ دستیاب کر سکیں گے۔ اس طرح اس زمرے کے تحت ڈنٹسٹری (Dentistry) کے لیے ایک طالب علم کو کورس کی تکمیل تک 2,31,000روپے تک بہ طور فیلو شپ دستیاب ہو سکیں گے۔

یہ رقم ایک اندازے کے مطابق ہے۔ اصل ملنے والی رقم بھی اس اندازے سے بڑی حد تک قریب ہو سکتی ہے۔ کیونکہ تعلیمی سال علاحدہ ہوتے ہیں اور فیلو شپ کس ماہ سے شروع ہو کر کس ماہ تک ختم کیے جانے کے اصول ہیں، یہ باتیں بھی مجموعی رقم کی گنتی میں شمار ہوتی ہیں چنانچہ مذکورہ رقم اتنی ہی سمجھنا خلاف قیاس ہوگا۔

اس طرح ایک طالب علم جس نے سائنسی مضامین کے ساتھ انٹرمیڈیٹ، پی یو سی، 2+10 یا بارھویں جماعت میں داخلہ حاصل کر لیتا ہے اور جو 75فی صد سے زیادہ نشانات حاصل کرنے کے بعد اس فیلو شپ کے لیے منتخب ہو جاتا ہے تو گویا پوسٹ گریجویٹ یا پھر پروفیشنل کورس کی تکمیل یعنی انجینئر یا ڈاکٹر بننے تک گویا اس کی تعلیم تقریباً فری ہو جائے گی۔

یہ ایک بہترین موقع ہے کہ ہم اس سے استفادہ کریں۔ کوئی بھی سکالرشپ یا فیلو شپ کیریئر کی سب سے اچھی اور اہم کڑی ہوتی ہے۔ کیوں کہ سکالرشپ کو کبھی رقم میں میزان نہیں کیا جانا چاہیے۔ یہ ایک اعزاز ہوتا ہے جو طالب علم کو آئندہ کیریئر کی منزلوں کو بآسانی طے کرنے میں معاون ہوتا ہے۔ کسی بھی اسکالرشپ یا فیلو شپ کے تعلق سے یہ فلسفہ مسلمہ ہے۔ مگر یہاں تو یہ اعزاز بھی ہے اور رقم بھی، تو پھر اس موقع کے حصول کے لیے اس اعزاز سے متصف ہونے کے لیے طلبہ متحرک ہو جائیں۔ جو ابھی دسویں کی تیاری کر رہے ہیں یا اگلے امتحانات / تعلیمی مدارج کے لیے پیش رفت میں ہیں وہ بالخصوص سائنسی مضامین اور بالعموم بہ حیثیت مجموعی Career Planing کریں کہ انھیں کم سے کم 75فی صد نمبر نہ صرف سائنسی مضامین بلکہ ہر مضمون میں حاصل کرنے ہیں اور زیادہ سے زیادہ فی صد کی تو حد مقرر ہی نہیں کی جانی چاہیے۔

درخواست فارم: درخواست فارم طلب کرنے کا نمونہ ساتھ ہی شائع کیا جا رہا ہے۔ اس کی صاف اور عمدہ کاغذ پر زیراکس (فوٹو کاپی) حاصل کر لیجیے۔ بھرتی کیجیے اور روانہ کر دیجیے۔

درخواست کا طریقہ: خانہ پُری کے بعد: ایک بار پھر اطمینان کر لیجیے کہ آپ نے قواعد و ضوابط کے مطابق خانہ پُری کی ہے۔ خانہ پُری بہت ہی واضح نمایاں اور دل خوش کن بھی ہو، درخواست فارم کے ساتھ صرف 75روپے کا ڈیمانڈ ڈرافٹ SID A/c KVPY کے نام بنائے جو بنگلور میں قابلِ ادا ہو، روانہ کر دیجیے۔

آخری تاریخ اور پتا: درخواست کے لیے گذارش نامہ داخل کرنے کی آخری 01-06-2001 مقرر ہے۔ اگر آپ ایک سے زائد (Stream) میں فیلو شپ کے لیے اپنے آپ کو اہل تصور کرتے ہیں اور درخواست دینا چاہیں تو ہر ایک درخواست فارم حاصل کرنے کے لیے گذارش نامے کے ساتھ 75روپے کا ڈیمانڈ ڈرافٹ منسلک کریں۔ پتا ہے۔

The Converner, Kishore Vaigyanik Protsahan Yojana, (KVPY), Indian Institute of Science, Bangalore-560012

☆☆☆

Dr. Salman Abid
161, SPI, C, CIB Quarters, Nehru Nagar,
Kachiguda, Hyderabad-27

داستانِ امیر حمزہ کا مطالعہ

ساحری، شاہی، صاحب قرانی

جلد اول، نظری مباحث

شمس الرحمٰن فاروقی

قیمت:180روپے

ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

ویسٹ بلاک-1، آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی-110066

محمد شاکر کریمی

کمپیوٹر میں تعلیم اور روزگار کے مواقع

آج کا دور مسابقتی (Competition) دور ہے زندگی کے تمام شعبوں میں ہم لوگوں کو اس سے گزرنا پڑتا ہے۔ اور آج کے اس مسابقتی دور میں تعلیم کے بغیر انسان ہر طرح سے نامکمل ہے۔ تعلیم آج دو خیموں میں بٹ گئی ہے۔ ایک تو جنرل ایجوکیشن ہے اور دوسری ٹیکنیکل اور پروفیشنل ایجوکیشن ہے۔ جنرل ایجوکیشن سے انسان گریجویٹ اور پوسٹ گریجویٹ کی ڈگری تو حاصل کرلیتا ہے لیکن ٹیکنیکل اور پروفیشنل تعلیم کے لیے دوسرے ہی قسم کی صلاحیت درکار ہوتی ہے۔ بڑھتی ہوئی بے روزگاری اور مسابقت کے اس دور میں ووکیشنل تعلیم کی اہمیت بہت زیادہ بڑھ گئی ہے۔

پہلے طالب علموں کا جھکاؤ میڈیکل اور انجینئرنگ، مینجمنٹ، اکاؤنٹس، ڈیفنس (دفاعی) کورسز کی طرف ہوتا تھا، اب وہ ٹیکنالوجی کی طرف زیادہ دھیان دینے لگے ہیں ان تمام کورسز میں وہ فوقیت کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کو دیتے ہیں۔ خصوصاً انٹرنیٹ کے ذریعے ای کامرس (e-commerce) نے خاصی کایا پلٹ کردی ہے۔ اب دنیا کے بہت سے کاروبار کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کے ذریعے ای کامرس سے کیے جارہے ہیں۔ ای بزنس، ای بک، ای پین اور ای پیپر جیسی ایجادوں سے امریکہ، جاپان، آسٹریلیا اور دیگر ترقی یافتہ ممالک نے باضابطہ طور پر ای کامرس (e-commerce) کے ذریعے کاروبار کرنا شروع کردیا ہے۔ ہندستان میں بھی بڑی بڑی کمپنیاں ای کامرس کے ذریعے کاروبار کرنے لگی ہیں۔ ملٹی نیشنل کمپنیوں نے اس کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے اس ای کامرس کو پوری طرح اپنالیا ہے جس کی وجہ سے کمپیوٹر انٹرنیٹ کی اہمیت وافادیت روز افزوں بڑھتی جارہی ہے۔ کیوں کہ کمپیوٹر نے انسانی زندگی کے جملہ شعبوں سے لے کر تمام تر کاروباری کاموں کو انجام دینا شروع کردیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کمپیوٹر پروفیشنل کورسز کی جانب طالب علموں کا ہجوم جوق در جوق کھنچتا چلا آرہا ہے۔ ایک سروے کے مطابق ہندستان میں 1990ء میں کمپیوٹر سے تعلق رکھنے والے ٹیکنیکل افراد 490000 تھے، چار سال کے اندر 1994ء میں اس تعداد میں 42 لاکھ کا اضافہ ہوا اور اس کے چار سال کے بعد اس کی تعداد میں چار گنا اضافہ ہوا ہے۔ اسی سے آپ اس شعبے میں دلچسپی رکھنے والے حضرات کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ آج اس کی اہمیت وافادیت اتنی بڑھ گئی ہے کہ اس کا استعمال ہمارے معمولات زندگی میں ہر جگہ ہو رہا ہے جس کی وجہ سے اس نے لوگوں کے لیے روزگار کے بے شمار مواقع فراہم کیے ہیں۔

کمپیوٹر کا میدان کافی وسیع ہے اس میں روزگار کے بے شمار مواقع ہیں۔ کمپیوٹر پروفیشنل میں ڈاٹا انٹری آپریٹر، ڈی ٹی پی آپریٹر، کمپیوٹر ایڈ ڈیزائنر، کمپیوٹر پروگرامر، ڈیزائنر، سسٹم کنسلٹنٹ، سسٹم منیجر، سافٹ ویئر ڈیزائنر آٹو کیڈ ڈیزائنر، سافٹ ویئر اپلی کیشن ڈیولپر اور سسٹم انالسٹ کے علاوہ بہت سارے ڈپلوما اور ڈگری کورسیز رائج ہیں جہاں سرکاری نیم سرکاری اور پرائیویٹ ادارے کمپیوٹر پروفیشنل میں یہ تمام کورسز کی ٹریننگ کرتے ہیں۔ آیئے ان کورسز کی جانکاری تفصیل سے دیں تاکہ آپ ان میں اپنی علمی لیاقت کی بنیاد پر داخلہ لے کر اس میں ٹریننگ لے سکیں۔

(DOEACC) ڈیپارٹمنٹ آف الیکٹرونکس اکریڈیشن آف کمپیوٹر کارپوریشن

ڈیپارٹمنٹ آف الیکٹرونکس اکریڈیشن آف کمپیوٹر کارپوریشن کی جانب سے تسلیم شدہ چار کورسز رائج ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

'O' level او لیول، 'A' level اے لیول، 'B' level بی لیول اور 'C' level سی لیول۔ 'O' level فاؤنڈیشن کورس ہے۔ ڈپارٹمنٹ آف الیکٹرونکس اکریڈیشن آف کمپیوٹر کارپوریشن کی جانب سے تسلیم شدہ ہے۔ 'A' level اے لیول: کمپیوٹر سائنس ڈپلوما کے مساوی ہے۔ 'B' level بی لیول بی بی ای۔ ایم ٹیک (M-Tech) اور ایم بی اے کے مساوی ہے۔ 'C' level سی لیول بی ٹیک (B-Tech) کے مساوی ہے۔ ان کورسز کو مکمل کرنے پر بطور پروگرام اسسٹنٹ جونیر پروگرامر، پروگرامر اسسٹنٹ ڈیٹا بیس منیجر، سسٹم انالسٹ، سافٹ ویئر انجینئر، پروجیکٹ منیجر، سسٹم انالسٹ منیجر جیسی ملازمت پاسکتے ہیں۔ DOEACC کی جانب سے متعین کردہ مخصوص اداروں کو اس نے ان کورسز کے لیے منظوری دی گئی ہے جہاں سے آپ فارم منگا سکتے ہیں۔ چند منظور شدہ مراکز کے پتے درج ذیل ہیں۔

Accrediation Computer Institute (ACIAP)،

بیورو آف ڈاٹا پروسسنگ سسٹمس (BDPS)، حیدر آباد۔

II حیدر آباد ایپل انڈسٹریز لمیٹڈ، سروجہ، 143-10-5 فتح میدان، روبرو انڈور اسٹیڈیم بشیر باغ حیدر آباد، 500004

III وی کے کمپیوٹرز ایجوکیشن پوائنٹ وجے واڑہ سبھی لیول کے امتحان دلانے کا اہل ہے AICTE کی جانب سے بھی تمام لیول، پبلک سکٹر اداروں میں یہ سہولت مہیا ہے۔

IV ودیش سنچار نگم (CB) ہندستان ایرونا ٹکس۔ B,A اور C لیول کے کورسز چلاتی ہیں۔

V اس کے علاوہ DOEACC کی جانب سے ہندستان کے بڑے بڑے شہروں میں منظور شدہ سنٹرس کے نام اخباروں کے ذریعے اعلان کیے جاتے ہیں۔ جہاں آپ اپنی سہولت کے مطابق فارم حاصل کر سکتے ہیں۔

رجسٹریشن فیس / فارم جمع کرنے کی تاریخ

ڈیپارٹمنٹ آف الیکٹرونکس کی جانب سے سال میں دو مرتبہ ان تمام لیول کے لیے امتحان لیے جاتے ہیں۔ خواہش مند طلبہ / طالبات سال میں جنوری اور جولائی میں امتحان دے سکتے ہیں۔ امتحان سے قبل رجسٹریشن کرانا لازمی ہوتا ہے۔ O لیول کے لیے 50 روپے، A لیول کے لیے 75 روپے، B لیول کے لیے 100 روپے اور C لیول کے لیے 150 روپے رجسٹریشن فیس دینا لازمی ہے۔ رجسٹریشن کی آخری تاریخ O لیول کے لیے 30 جون (جنوری والے امتحان کے لیے اور 31 دسمبر جولائی والے امتحان کے لیے مقرر ہے)۔

درخواست حاصل کرنے کی آخری تاریخ جنوری امتحان کے لیے یکم ستمبر اور یکم مارچ (جولائی امتحان کے لیے) نیز درخواستیں حاصل کرنے کی آخری تاریخ جنوری کے لیے 30 اکتوبر اور 30 اپریل (جولائی کے لیے) ہے۔ اخباروں کے ذریعے سوسائٹی کی جانب سے ان تمام لیول کے لیے رجسٹریشن کی آخری تاریخ کی جانکاری دی جاتی ہے۔ خواہشمند حضرات مزید تفصیلات کے لیے اس پتے پر رابطہ قائم کر سکتے ہیں۔

Executive Director
DOEACC, Society, Electronics Niketan
6, CGO, Complex, Lodhi Marg, New Delhi-110003
Phone: 436330, 4363331, 4363332

کمپیوٹر پروفیشنل میں CMC کمپیوٹر مینٹی نینس کارپوریشن لمیٹڈ سے منظور شدہ کورسز: ہندستان میں کمپیوٹر کے اہم کورسز چلانے کا سہرا DMC کو جاتا ہے اس نے تعلیمی میدان میں 1978 سے قدم رکھا ہے۔ یہ ادارہ کمپیوٹر سنٹر چلانے کے ساتھ ساتھ مختلف یونیورسٹیوں اور اداروں کے اشتراک کے ساتھ پروگرامس چلارہا ہے۔ ان اداروں میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، جادوپور یونیورسٹی کلکتہ، میسور یونیورسٹی، انسٹی ٹیوٹ آف چارٹرڈ اکاؤنٹنٹس کلکتہ اور حیدر آباد کے علاوہ ہندستان میں مختلف یونیورسٹیوں میں تین طرح کے کورس چلائے جاتے ہیں۔

(1) گریجویٹ طلبہ / طالبات یا انٹرمیڈیٹ پاس کے لیے "ڈپلوما ان ایڈوانسڈ سافٹ ویئر ٹیکنالوجی" جو دو سالہ کورس ہے۔

(2) PGDCA کورس پوسٹ گریجویٹ کورس ان کمپیوٹر اپلی کیشن کورس کرائے جاتے ہیں جس کی مدت چھ ماہ ہے۔

(3) مختصر مدتی کورس میں اُور یکل فل ٹائم دو ہفتہ ہے۔ پارٹ ٹائم میں آٹھ ہفتے کے کورسز منظور شدہ ہیں۔ ان کے علاوہ Trainees Programmes System کا کورس بھی رائج ہے جو ڈگری میں B.Tech. (Maths) BE پاس طلبہ / طالبات کر سکتے ہیں۔

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی کی جانب سے اردو دانوں کے لیے کمپیوٹر پروفیشنل میں کورس:

DOEACC کی شاخ ERTL کے اشتراک اور منسٹری آف IT کے تعاون سے ایک سالہ ڈپلوما ان کمپیوٹر اپلی کیشن اینڈ ملٹی لنگول ڈی ٹی پی کورسز قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان مرکزی وزارتِ ترقی انسانی وسائل نئی دہلی کی جانب سے شروع کیا گیا ہے جو ملک کے 18 صوبوں کے 47 ضلعوں میں 75 مقامات پر مراکز کھول کر اس میں ایک سالہ ڈپلوما ان کمپیوٹر اپلیکیشن اینڈ ملٹی لنگول ڈی ٹی پی کی ٹریننگ دی جارہی ہے۔ خواہش مند طلبہ / طالبات جو میٹرک پاس کر چکے ہیں یا اس کے مساوی سند رکھتے ہوں اور جن کی عمر 15 سے 35 سال کے درمیان ہو، وہ اپنے اپنے صوبے میں قومی کونسل سے منظور شدہ ادارے سے رابطہ قائم کر کے داخلہ فارم حاصل کر کے تحریری و زبانی ٹیسٹ پاس کرنے کے بعد اس میں داخلہ لے سکتے ہیں۔ یہاں سے جو سرٹیفکیٹ دیا جاتا ہے وہ منسٹری آف انفارمیشن ٹیکنالوجی وزارتِ ترقی انسانی وسائل اور ڈیپارٹمنٹ آف الیکٹرونکس کی شاخ ERTL کی جانب سے دی جاتی ہے اس سند کو IGNOU کے CIC کے کورس کے برابر درجہ دیا گیا ہے تاکہ یہاں سے فارغ طلبہ طالبات راست ایم سی اے (MCA) کے اہل ہو سکیں۔ اس کے علاوہ اس کورس کو مکمل کرنے کے بعد بطور ڈاٹا انٹری آپریٹر، ویزول ڈیزائنر اور بطور ڈی ٹی پی آپریٹر کا کام کر سکیں۔

آئی بی ایم IBM کی جانب سے چلائے جا رہے کمپیوٹر کورسز:
بین اقوامی سطح پر آئی بی ایم IBM کی جانب سے بطور پاور یوزر، اپلی کیشن ڈیولپر اور دیگر کورسز چلائے جاتے ہیں۔ اس سے فارغ ہونے والے طالب علموں کو IBM کی جانب سے سرٹیفکیٹ دیا جاتا ہے۔ ہندستان میں اس کے 15 مسلمہ ادارے ہیں جو IBM سے منظور شدہ ہیں۔ IBM کی طرح نوویل (Novel) کا سرٹیفکیشن پروگرام کے تحت سرٹیفکیٹ کورسز چلائے جاتے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:
(a) مائکرو سافٹ سرٹیفکیشن: مائکروسافٹ سرٹیفائڈ پروفیشنل (MCP) پروگرام مائکروسافٹ ویئر کی جانب سے چلایا جا رہا ہے۔ اس ٹیکنالوجی پر مہارت رکھنے والوں کے لیے یہ ادارہ امتحان منعقد کراتا ہے۔ اس میں جو ادارے کے معیار پر پورا اترتا ہے اسے (MCP) کی طرف سے سرٹیفکیٹ دیا جاتا ہے۔
مائکروسافٹ پروفیشنل سرٹیفکیٹ (MSPC) کی طرف سے چار طرح کے کورسز رائج ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:
(I) یہ کورس مائکروسافٹ کی جانب سے تیار کی جانے والی مختلف ٹولس، اور مصنوعات کی بنیاد پر طلبہ جب کسٹمز اپلی کیشن ڈیزائنگ اور ڈیولپمنٹ کرنے کے قابل ہوتے ہیں تو وہ سافٹ ویئر شعبے میں پروگرامر کی حیثیت سے کام کر سکتے ہیں۔ انجینئر وغیرہ کے لیے اس طرح کا کورس منتخب کرنا کافی مفید ہوتا ہے۔
(II) مائکروسافٹ سرٹیفائڈ سسٹم انجینئر (MCSE) اس کورس کو کرنے کے بعد مائکروسافٹ NT، مائکروسافٹ بک آفس جیسے انفارمیشن سسٹم کے سرور کی بنیاد پر تیاری وترقی اور منصوبہ بندی اور اہتمام جیسے امور کی انجام دہی کی اہلیت حاصل کرنے کے لیے یہ کورس ہے۔
(III) مائکروسافٹ سرٹیفائڈ پروڈکٹ اسپیسلسٹ (MCPS) مائکروسافٹ کے بنائے ہوئے آپریٹنگ سسٹم میں بہت زیادہ مہارت رکھنے والوں کو NCPS سرٹیفکیٹ دیا جاتا ہے۔
(IV) مائکروسافٹ سرٹیفائڈ ٹرینرز (MCT) یہ کورس مائکروسافٹ سرٹیفائڈ ٹرینرز (MCT) کی طرح زیادہ اہلیت رکھنے والوں کے لیے ہے جس کے بعد لوگ مائکروسافٹ آتھرائزڈ ٹریننگ (ATC) انسٹرکٹر کی طرح کام کر سکتے ہیں۔
اندرا گاندھی اوپن یونیورسٹی (IGNOU) کی جانب سے کمپیوٹر پروفیشنل کورسز: اندرا گاندھی اوپن یونیورسٹی کی جانب سے کمپیوٹر پروفیشنل کورسز تسلیم شدہ ہیں جہاں سی آئی سی (CIC)، بی سی اے (BCA) اور ایم سی اے (MCA) کے اعلا کورسز رائج ہیں منسٹری آف IT کی جانب سے اگنو (IGNOU) کے دو اور کورس (BIT) اور (ADIT) کو مزید اضافے کے ساتھ کمپیوٹر پروفیشنل میں شامل کرلیا گیا ہے۔
(الف) سی آئی سی سرٹیفکیٹ اِن کمپیوٹنگ: اندرا گاندھی نیشنل اوپن یونیورسٹی کی جانب سے یہ کورس چھے مہینوں کی مدت پر مشتمل ہے جس میں سال میں (جنوری / جولائی) دو مرتبہ داخلے کے لیے فارم جاری کیے جاتے ہیں۔ داخلے کے لیے وہی طالب علم اہل ہو سکتے ہیں جن کی تعلیمی اہلیت 2+10 اور گریجویٹ یا اس کے مساوی سند رکھتے ہوں۔ پورے چھے ماہ کی فیس ایک ہی دفعہ -/2200+ -/200 روپے رجسٹریشن فیس کی ادائگی کے ساتھ (مکمل کورس کی فیس -/2400 روپے) اندرا گاندھی نیشنل اوپن یونیورسٹی کے ڈائرکٹر کے نام ڈرافٹ کے ذریعے جو متعلقہ صوبے کے ریجنل آفس میں بھیج کر کورس کے تمام اسائنمینٹ منگانے پڑتے ہیں۔ عمر کی کوئی قید نہیں۔ CIC کے بعد BCA اور MCA کے لیے مزید آگے بڑھنے کے لیے گریجویشن پاس طلبہ / طالبات CIC کے بعد MCA کے لئے ڈائرکٹر داخلے کے اہل ہو سکتے ہیں لیکن جنھوں نے I.Sc. میں Math نہیں پڑھا ہوگا انہیں پی پی سی پروگرام پاس کرنا لازمی ہے۔ طلبہ / طالبات فارم اور پروسپیکٹس ریجنل ڈائرکٹر IGNOU آفس سے اور ان کے منظور شدہ اسٹڈی سنٹر سے -/10 روپے جمع کر کے حاصل کر سکتے ہیں، ڈاک کے ذریعے اس کا معلوماتی کتابچہ منگانے پر پچاس روپے مزید ادا کرنے ہوں گے۔
(ب) BCA بیچلر اِن کمپیوٹر اپلی کیشن میں ڈگری۔ بی سی اے کے لیے وہی اہل ہو سکتے ہیں جنھوں نے 2+10 ریاضی سے پاس کیا ہو۔ مدتِ تعلیم تین سال اور زیادہ سے زیادہ 6 سال کی ہے۔ میڈیم انگلش ہے۔ پروگرام فیس 2500 روپے، ہر ایک سمسٹر (Semester) میں ادا کرنے پڑتے ہیں۔ MCA ماسٹر اِن کمپیوٹر اپلی کیشن میں مندرجہ ذیل طالب علم داخلے کے اہل ہو سکتے ہیں۔
(الف) جنھوں نے بیچلر ڈگری اِن کمپیوٹر سائنس، تسلیم شدہ یونیورسٹی سے کی ہو۔
(ب) بی ٹیک / ایم ایس سی والے طالب علم جنھوں نے CIC کرلی ہو، وہ ایم سی اے MCA فرسٹ Year کے لیے اہل ہو سکتے ہیں۔

(ج) وہ تمام گریجویٹ طالب علم (بی اے، بی کام، بی ایس سی وغیرہ) جنھوں نے اگنو (I G N O U) سے CNOC/CDCO/CIC کیا ہو۔

(د) وہ PGDCA جو تسلیم شدہ یونیورسٹی سے ہو نا علاوہ Level "A" پروگرام جو DOE اور بیچلر ڈگری سے کیا ہو۔

(ہ) BIT/ADIT پروگرام جو IGNOU کے Virtual Campus موڈ سے کیا گیا ہو۔

مدت: کم سے کم تین سال اور زیادہ سے زیادہ سات سال ہے۔

میڈیم انگلش ہے۔

فیس: ایم سی اے کے لیے 4500 سو روپے ہر ایک سمسٹر میں ادا کرنے ہوتے ہیں۔

اندور کی دیوی اہلیا یونیورسٹی رائج کمپیوٹر کورسز:

اندرا گاندھی اوپن یونیورسٹی کے علاوہ ایم سی اے اندور کی دیوی اہلیا یونیورسٹی میں پیشہ ورانہ تعلیم کی غرض سے نومبر 1991ء میں The International Institute of Professional Studies کا قیام عمل میں آیا۔ اس یونیورسٹی میں غریب طلبہ کے لیے مکمل تعلیمی سہولتیں فراہم ہیں۔ اس ادارے سے بھی چھ سالہ ماسٹر آف کمپیوٹر ایپلی کیشن (MCA) کورس یونیورسٹی کے انسٹی ٹیوٹ آف کمپیوٹر سائنس اینڈ الیکٹرانکس شعبوں میں چلائے جارہے ہیں۔ اس میں داخلے کے لیے خواہش مند امیدواروں کو چاہیے کہ وہ فزکس (Physics) اور ریاضی کے ساتھ 55 فیصد مارکس کے ساتھ ہایر سکنڈری یا اس کے مساوی امتحان پاس ہوں۔

انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ آف پروفیشنل اسٹڈیز کی جانب سے عام طور سے ہر سال فروری میں داخلے کا اعلانیہ جاری کیا جاتا ہے۔ داخلہ آل مینجمنٹ ایسوسی ایشن کی جانب سے منعقد کیے جانے والے انٹرنس امتحان میں پاس ہونے والے طالب علموں کا ہی ممکن ہے۔

انٹرنس امتحان ہر سال جون کے مہینے میں ہوتا ہے درخواست فارم کی قیمت 650 روپے ہے جو The Director IIPS Devi Ahlia University, Indore کے نام ڈیمانڈ ڈرافٹ بھیج کر حاصل کر سکتے ہیں۔

The Director, IIPS Devi Ahila University
P.O Box 598, Khandwa Road INDORE
The Director AIMA-CME Managemetn House
14-Institutional Area, Lodi Road, New Delhi- 3

فارم فروری سے اپریل کے پہلے ہفتے تک حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ درخواست جمع کرنے کی آخری تاریخ اپریل کے آخری ہفتے تک ہوتی ہے۔ اب انٹرنیٹ نے بہت سی سہولتیں فراہم کردی ہیں۔ ای کامرس اور ای بزنس نے ہمارے کاروباری نظام کے ڈھانچے کو انٹرنیٹ کے ذریعے کافی آسان کردیا ہے۔ اس سے بہت سارے کام تو لیے جاتے ہیں لیکن ساتھ ہی ساتھ اس نے کیریئر کے سلسلے میں بھی سنگ میل کا کام کرنا شروع کردیا ہے۔ انٹرنیٹ پر کیریئر پر ویب سائٹوں نے بے روزگاروں کے لیے نوکری پانے کا راستہ کافی آسان کردیا ہے۔ اب نوکری کی تلاش میں روزگار آفس کے دفتر کے چکر کاٹنے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی انھیں موٹی موٹی فائلیں لے کر گھومنے کی ضرورت ہے۔ اب آپ اپنا سارا بائیوڈاٹا ویب سائٹ پر فیڈ کردیں ملازمت دینے والی کمپنیاں آپ کے دیے گئے بائیوڈاٹا کی بنیاد پر آپ کی لیاقت وصلاحیت کو جانچ کے آپ کو انٹرویو کے لیے بلالیں گے۔

اب زیادہ تر ملٹی نیشنل اور انٹرنیشنل کمپنیاں آن لائن (on-Line) اشتہار دیتی ہیں نوکری کی تلاش کرنے والے دیے گئے خاکے کی خانہ پری کردیں۔ انٹرنیٹ پر نوکری کی تلاش یا جاب ہنٹنگ تیزی سے معروف ہوتی جارہی ہے اب زیادہ تر کمپنیاں اپنی ضرورتوں کے مطابق روزگار کے مواقع لے کر انٹرنیٹ پر آرہی ہیں۔ موجودہ وقت میں انٹرنیٹ پر 28500 سے زیادہ جاب سائٹ ہیں اور 4 تقریباً 25 لاکھ بائیوڈاٹا ان پر موجود ہیں۔

جاب پانے کے لیے انٹرنیٹ پر کچھ جاب سائٹ یہ ہیں۔

1 www.job.com
2. www.nokri.com
3. www.placementindia.com
4. www.jobsearch.com
5. ww.microsoftjob.com
6 www.discoverme.com
7 www.jobahead.com
8 www.jobstreet.com

طالب علموں کا رجحان انٹرنیٹ کی جانب زیادہ ہونے لگا ہے اس وجہ سے کمپیوٹر کی اہمیت وافادیت میں خاصا اضافہ ہوا ہے۔ ای کامرس (e-commerce) اور ای بزنس (e-business) نے ہمارے کاروباری نظام کے ڈھانچے کو کمپیوٹر اور انٹرنیٹ میں سمونے کی سائنٹفک کوشش کی ہے۔ جس کی وجہ سے اس نے نئے نئے روزگار کے مواقع فراہم ہوگئے ہیں۔ بڑی بڑی ملٹی نیشنل کمپنیاں اپنے کاروبار کو انٹرنیٹ کے ذریعے فروغ دے رہی ہیں۔ وہ اپنے ویب سائٹ کے ذریعے اشتہارات دے کر لوگوں کو اپنی جانب کھینچ رہی ہیں۔

حواشی: 1. کمپیوٹر اور بے روزگاری۔ 2. ہندستان میں روزگار کے مواقع۔ 3. کمپیوٹر پروفیشنل میں کیریر۔ 4. انٹرنیٹ سے جاب کی تلاش۔

☆☆☆

Sajjad Computer Training and Guidance Centre,
2K/3, Bariato Housing Colony, Ranchi - 9

محمد اخلاق آزاد

کوئز

جغرافیہ

(1) پورے گلوب کے کتنے فی صد حصے پر پانی پھیلا ہوا ہے؟
(الف) 51 فی صد (ب) 71 فی صد
(ج) 61 فی صد (د) 81 فی صد

(2) جھیلوں کا ملک کسے کہا جاتا ہے؟
(الف) نیوزی لینڈ (ب) اسکاٹ لینڈ
(ج) انگلینڈ (د) گرین لینڈ

(3) کون سا عمل آبادی کی تقسیم کو متاثر نہیں کرتا ہے؟
(الف) آب و ہوا (ب) زمین کی بناوٹ
(ج) مٹی (د) انسانی تہذیب

(4) سیری کلچر (Sericulture) کس پیداوار سے وابستہ ہے؟
(الف) سورج مکھی (ب) کپاس
(ج) ریشم (د) لاکھ

(5) اگر زمین اور فضائے بسیط (Space) کے درمیان سے کرۂ ہوا کو ہٹا دیا جائے تو آسمان کا رنگ کیسا ہوگا؟
(الف) نیلا (ب) لال
(ج) سفید (د) کالا

(6) گہری وادیوں (Rift Valleys) میں جھیل کی تشکیل کس سے ہوتی ہے؟
(الف) گلیشیر (ب) آتش فشاں
(ج) ندی (د) مندرجہ بالا کوئی نہیں

(7) کون سا ملک مانسونی علاقے کے تحت نہیں آتا ہے؟
(الف) کینیا (ب) ہندستان
(ج) تھائی لینڈ (د) فلپائن

(8) تمیں ڈگری عرض البلد (Latitude) کا معاون عرض البلد کیا ہے؟
(الف) 90 ڈگری (ب) 60 ڈگری
(ج) 150 ڈگری (د) 180 ڈگری

(9) جنوبی نصف کرے میں سب سے لمبا دن کب ہوتا ہے؟
(الف) 21 جون (ب) 21 مارچ
(ج) 23 ستمبر (د) 22 دسمبر

(10) گرینائیٹ کس قسم کی چٹان ہے؟
(الف) آتشی چٹان (ب) پرت دار چٹان
(ج) استعاری چٹان (د) ان میں سے کوئی نہیں

(11) کسے براعظموں کا براعظم کہا جاتا ہے؟
(الف) آسٹریلیا (ب) شمالی امریکا
(ج) انٹارٹیکا (د) ایشیا

(12) مندرجہ ذیل میں سے سب سے بڑا سیارہ کون سا ہے؟
(الف) جوپیٹر (ب) مریخ
(ج) پلوٹو (د) یورانس

(13) ٹائفون نامی سائیکلون سے کون سا علاقہ متاثر ہوتا ہے؟
(الف) آسٹریلیا (ب) مغربی جزیرے کا علاقہ
(ج) چین کا سمندر (د) مندرجہ بالا سبھی

(14) جاپان کو پہلے کس نام سے جانا جاتا تھا؟
(الف) نپن (ب) سن رائز
(ج) بنجیہ (د) ان میں سے کوئی نہیں

(15) سب سے پہلے انڈیا لفظ کا استعمال کس زبان میں ہوا تھا؟
(الف) یونانی (ب) فارسی
(ج) عربی (د) ہندی

(16) ہندستان میں کس ندی گھاٹی علاقے میں بڑے پیمانے پر جوٹ کی کھیتی ہوتی ہے؟
(الف) دامودر (ب) ہگلی
(ج) گنگا (د) سندھ

(17) زلزلے کے جھٹکے کی پیائش کس آلے سے کی جاتی ہے؟
(الف) ہیروگراف (ب) سیسموگراف

(ج) ایرگراف (د) کلائیوگراف

(18) 23.5 ڈگری جنوبی خطِ عرض البلد کہاں سے ہوکر گزرتا ہے؟

(الف) زمبابوے (ب) مالاگاسی

(ج) ہندستان (د) گرین لینڈ

(19) ہندستان میں نمک حاصل کرنے کا اہم ذریعہ کیا ہے؟

(الف) سمندر کا پانی (ب) چٹانی نمک کی پرت

(ج) جھیل و آب وگل (د) مندرجہ بالا سبھی

(20) کس آب و ہوا کے علاقے میں سب سے کم درجہ حرارت پایا جاتا ہے؟

(الف) مانسونی (ب) بحر روی

(ج) مرکزی براعظم (د) خطِ روی

(21) پنسل بنانے میں عام طور پر کس پیڑ کی لکڑی استعمال کی جاتی ہے؟

(الف) ٹیک (ب) سیڈار

(ج) دیودار (د) آبنوس

(22) کون سا پہاڑ آتش فشاں کی مثال نہیں ہے؟

(الف) ایٹنا (ب) کالا

(ج) فیوجیاما (د) کلیمانجرو

(23) فراور پائین کے پیڑ عام طور پر کس قسم کے جنگلوں میں پائے جاتے ہیں؟

(الف) مانسونی (ب) بحر روی

(ج) خطِ روی (د) ٹیگا

(24) نقشے پر دوریوں کی پیائش کس آلے سے کی جاتی ہے؟

(الف) پلینی میٹر (ب) آپیسو میٹر

(ج) روٹا میٹر (د) ٹیلیو میٹر

(25) ٹراپک آف کینسر (Tropic of Cancer) کیا ہے؟

(الف) ایک قسم کی بیماری

(ب) کینسر کو روکنے کا آلہ

(ج) 23 ڈگری شمالی خطِ عرض البلد

(د) 23 ڈگری جنوبی خطِ عرض البلد

(26) ہندستانی معیاری وقت (IST) کس خط پر مبنی ہے؟

(الف) 80 ڈگری مشرقی طول البلد

(ب) 180 ڈگری طول البلد

(ج) صفر ڈگری طول البلد

(د) 82.30 ڈگری مشرقی طول البلد

(27) مندرجہ ذیل میں کون سی خریف کی فصل نہیں ہے؟

(الف) دھان (ب) جوار، باجرا

(ج) مکئی (د) چنا، مٹر

(28) کون سا سمندر "بحری ریگستان" کے نام سے جانا جاتا ہے؟

(الف) بحر عرب (ب) بحر لال

(ج) بحر جاپان (د) بحر سارگیسو

(29) دنیا میں سب سے زیادہ (63 فی صد) زلزلہ کس علاقہ میں آتا ہے؟

(الف) مرکزی اٹلانٹک (ب) بحر ہند

(ج) بحر مرکزی (د) بحر کاہل

(30) سورج گرہن کب پڑتا ہے؟

(الف) جب زمین اور سورج کے بیچ چاند آجائے

(ب) جب سورج اور چاند کے بیچ زمین آجائے

(ج) جب چاند، زمین اور سورج آمنے سامنے آجائیں

(د) کوئی وقت مقرر نہیں ہے

(31) عام طور پر ڈیلٹا کی بناوٹ کس طرح کی ہوتی ہے؟

(الف) سیدھی (ب) مثلث

(ج) مقرر نہیں ہے (د) مربع اور مستطیل

(32) مندرجہ ذیل میں سے کون سا جوڑا صحیح نہیں ہے؟

(الف) ہندوپاک۔ خطِ دورنڈ

(ب) ہندوچین۔ خطِ میک موہن

(ج) مشرقی جرمنی اور پولینڈ۔ خطِ آڈرنیسی

(د) جرمنی اور فرانس۔ خطِ میگنٹ

(33) دنیا میں قدرتی گیس کا سب سے بڑا ذخیرہ کس ملک میں ہے؟

(الف) عراق (ب) متحدہ امریکا

(ج) روس (د) سعودی عرب

(34) گردوں کی سب سے زیادہ آبادی کس ملک میں ہے؟

(الف) عراق (ب) سیریا

(ج) ایران (د) ترکی

(35) بناوٹ کے اعتبار سے کون سی چٹان سب سے قدیم ہے؟

(الف) آتشی چٹان (ب) استعماری چٹان

(ج) الف اور ب، دونوں (د) سیڈی منٹری چٹان

(36) دو طول البلد (Longitude) کے درمیان کی دوری کو کس نام سے جانا جاتا ہے؟

(الف) بیلٹ (Belt) (ب) کالے (Kale)

(ج) گورے (Gore) (د) مندرجہ بالا کوئی نہیں

(37) ٹی اسکیل (T Scale) پر کس کی پیائش کی جاتی ہے؟

(الف) زلزلے کی رفتار (ب) ہواؤں کی چال

(ج) سائیکلون کی طاقت (د) آتش فشاں سے نکلا لاوا

(38) ''آدھی رات کا سورج'' کیا ہے؟

(الف) بہت چمکیلا چاند

(ب) اُگتا سورج

(ج) سورج کا لمبے وقت تک قطبی دائرے میں چمکنا

(د) رات میں سورج کا اُگنا

(39) آب و ہوا میں ''اوزون'' کی کیا اہمیت ہے؟

(الف) بنفشی شعاعوں سے حفاظت کرتا ہے

(ب) یہ ہری روشنی کے پھیلنے میں مدد کرتا ہے

(ج) یہ زمین کو ہرا بنائے رکھتا ہے

(د) کچھ اہمیت نہیں ہے

(40) جاڑے میں پیڑوں کی پتیاں کیوں گرتی ہیں؟

(الف) گرمی سے بچاؤ کے لیے

(ب) گرمی کے بعد آرام لینے کے لیے

(ج) پانی سے بچاؤ کے لیے

(د) جانور کے کھانے کے ڈر سے

(41) گوشت (Mutton) کی پیداوار سب سے زیادہ کس ملک میں ہوتی ہے؟

(الف) امریکا (ب) روس

(ج) جاپان (د) انگلینڈ

(42) کالی مٹی کس فصل کے لیے سب سے مناسب ہے؟

(الف) کپاس (ب) دال

(ج) جوٹ (د) گیہوں

(43) مندرجہ ذیل میں سے کون ''خشکی میں محصور'' (Land Rocked) ریاست ہے؟

(الف) گجرات (ب) آندھرا پردیش

(ج) بنگال (د) بہار

(44) متحدہ امریکا کی راجدھانی کہاں ہے؟

(الف) واشنگٹن (ب) واشنگٹن ڈی سی (DC)

(ج) نیویارک (د) سان فرانسسکو

(45) سیّاروں کی کل تعداد کیا ہے؟

(الف) پانچ (ب) آٹھ

(ج) نو (د) دس

(46) ''الاسکا پربت'' کس ملک میں ہے؟

(الف) متحدہ امریکا (ب) مشرقی روس

(ج) اٹلی (د) مرکزی ایشیا

(47) دنیا کی سب سے بڑی میٹھے پانی کی جھیل کون سی ہے؟

(الف) بحر کیپیین (ب) سوپیریر جھیل

(ج) بیکال جھیل (د) آیر جھیل

(48) کالاہاری ریگستان کہاں ہے؟

(الف) بوتسوانا (مرکزی افریقہ)

(ب) نامیبیا (شمالی مغربی افریقہ)

(ج) سومالیا (افریقہ)

(د) جنوبی چیلی (شمالی امریکا)

(49) دنیا میں سب سے پہلے مردم شماری کہاں کی گئی تھی؟

(الف) انگلینڈ (ب) سویڈن

(ج) ناروے (د) ڈینمارک

(50) منڈا قبیلے کا تعلق کس ریاست سے ہے؟

(الف) گجرات (ب) آسام

(ج) اڑیسہ (د) بہار

264, Sabarmati Hosatel, JNU, New Delhi-67

قومی اردو کونسل کی سرگرمیاں

جنوری تا مارچ 2001ء

اردو تعلیم پر مذاکرہ

قومی اردو کونسل نے 1998 میں پانچ یادگاری خطبات کا انعقاد کیا تھا۔ یہ لیکچر، کبیر، قلی قطب شاہ، غالب، فراق اور ڈاکٹر ذاکر حسین کی یاد میں منعقد کیے جاتے ہیں اس سیریز میں ڈاکٹر ذاکر حسین کی یاد میں اردو تعلیم پر ایک مذاکرے کا انعقاد انڈیا انٹرنیشنل سینٹر میں 8، فروری 2001 کو کیا گیا جس میں پروفیسر تھیوڈور پی رائٹ جونیئر (پروفیسر آف پولیٹکل سائنس، اسٹیٹ یونی ورسٹی آف نیویارک ایٹ البانی، امریکہ)، پروفیسر ڈیوڈ جے میتھیوز (یونی ورسٹی آف لندن) اور پروفیسر کرسٹینا اوسٹر ہیلڈ (یونی ورسٹی آف ہائیڈل برگ، جرمنی) نے ہندستان میں اردو کی صورت حال پر مقالے پڑھے۔

ذاکر ذاکر حسین اسٹڈی سرکل کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے اس مذاکرے میں مہمان مقالہ نگاروں کے علاوہ کرناٹک کے سابق گورنر خورشید عالم خان، سابق مرکزی وزیر سلمان خورشید، مشہور نقاد پروفیسر گوپی چند نارنگ، جامعہ ملیہ اسلامیہ کے وائس چانسلر شاہد مہدی، کشمیری ادیب یوسف ٹینگ اور کونسل کے ڈائریکٹر ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ شامل تھے۔

پروفیسر رائٹ نے اپنی تقریر میں بعض ایسی زبانوں کے تناظر میں اردو کا جائزہ لیا جن کا ایک زمانے میں غلبہ تھا لیکن بعد میں انھیں برے دن دیکھنے پڑے اور مشکلات سے گزرنا پڑا۔ ان کا خیال تھا کہ ہندستانی سیاست میں ہندوتو کے بڑھتے ہوئے رجحان نے ہندستانی مسلمانوں میں زبان کے تئیں بھی تشویش پیدا کر دی ہے اور مستقبل میں انھیں اردو کو بچانے یا فروغ دینے کے لیے حکومت کے بجائے بنیادی طور پر اپنے قوت بازو پر ہی انحصار کرنا ہوگا۔ انھوں نے یہودیوں کی مثال دی جنھوں نے عبرانی کے فروغ کے لیے ہر طرح کی قربانی دے کر اس زبان کو آج ایک بڑی زبان بنا دیا ہے۔

پروفیسر کرسٹینا اوسٹر ہیلڈ نے مشورہ دیا کہ اردو سے محبت کرنے والے بالخصوص مسلمان اگر اپنے بچوں کو اردو میڈیم میں تعلیم دلانے میں دشواری محسوس کرتے ہوں تو وہ اپنے بچوں کو زبانِ اول کے طور پر نصاب میں اردو ضرور پڑھائیں کیونکہ اردو کے بغیر نئی اور آنے والی نسلیں اپنے ثقافتی ورثے سے کٹ جائیں گی جو ایک ناقابل تلافی نقصان ہوگا۔ انھوں نے اس بات پر بھی زور دیا کہ بنیادی تعلیم صرف مادری زبان میں ہی دی جانی چاہیے۔ انھوں نے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا کہ ہندستان میں اردو تعلیم کے اعداد و شمار دستیاب نہیں ہیں۔

'حیات جاوید' اور 'امراؤ جان ادا' جیسی کتابوں کے انگریزی مترجم پروفیسر ڈیوڈ میتھوز نے اپنی تقریر میں کہا کہ اردو ایک ہندستانی زبان ہے جو اس دھرتی کی صدیوں کی تاریخ و ثقافت کی نمائندگی کرتی ہے اور ہندستان کے سلسلے میں کوئی بھی سنجیدہ کام اردو کے علاوہ عربی اور فارسی جانے بغیر نہیں کیا جا سکتا۔ پروفیسر میتھیوز نے بتایا کہ اردو اب ایک عالمی زبان بن چکی ہے۔ دنیا کی مختلف یونیورسٹیوں میں اردو کی تعلیم دی جاتی ہے۔ کئی ممالک نے اپنے تعلیمی نصاب میں اس کو جگہ دی ہے۔ ناروے کی پارلیمنٹ نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ نارویجن کے بعد اردو ملک کی سب سے بڑی زبان ہے۔

پروفیسر گوپی چند نارنگ نے اپنی صدارتی تقریر میں کہا کہ اگر ہندستان میں اردو کی جڑیں سوکھ گئیں تو اردو ہر جگہ خطرے سے دوچار ہو جائے گی اور اگر اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں اردو کی جڑیں سرسبز رہیں تو اردو ہر جگہ پھلے پھولے گی۔ انھوں نے کہا کہ ہمیں دوسری زبانوں کو بھی ساتھ لے کر چلنا ہوگا۔ ہمیں ہندی اور انگریزی کے بجائے نہیں بلکہ ہندی اور انگریزی کے ساتھ چلنا ہوگا تبھی ہم اعلا شہری بن سکتے ہیں اور ثقافتی رشتوں کا حق ادا کر سکتے ہیں۔

پروفیسر شاہد مہدی کا خیال تھا کہ ہمیں انگریزی سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اردو والوں کو ہندی یا علاقائی زبانوں اور انگریزی سے مفر نہیں۔

پروفیسر یوسف ٹینگ نے کہا کہ اگر کشمیر اور ہندستان کے رشتوں کو مضبوط بنانا ہے تو اردو کو اس کے گھر میں سرسبز و شاداب بنانا ہوگا کیوں کہ اردو کے خلاف کسی بھی کوشش سے ہر کشمیری تشویش میں مبتلا ہو جاتا ہے اور ملک کے دیگر حصوں میں اردو کی جو صورت حال ہے اس پر ہمارا دل ملول ہے۔

قبل ازیں ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ نے مقررین اور شرکا کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا کہ آزادی کے بعد پہلی مرتبہ اردو اور اردو تعلیم کو پالیسی سازی میں جگہ دی گئی ہے اور اقلیتوں کو قومی دھارا سے جوڑے بغیر ملک کی ہمہ جہت ترقی ناممکن ہے۔ انھوں نے بتایا کہ کونسل اسی مقصد کو لے کر کام کر رہی ہے۔

غالب یادگاری خطبہ

مرزا اسد اللہ خاں غالب کے 203ویں یوم ولادت کے موقع پر

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے تعاون سے غالب اکیڈمی، نئی دہلی نے 6/ جنوری 2001ء کو غالب خطبے کا اہتمام کیا۔ سید شہاب الدین سابق ایم۔ پی۔ نے "اردو ذریعہ تعلیم، اردو معاشرہ اور قومی پالیسی" کے عنوان سے خطبہ دیا۔ انھوں نے اپنے خطبے میں کہا کہ اردو بین الاقوامی سطح پر بڑھ رہی ہے لیکن اپنے وطن میں بے وطن ہے۔ بہار، آندھرا پردیش اور دہلی میں اسے جزوی طور پر دوسری سرکاری زبان کا درجہ حاصل ہے۔ شمالی ہند میں اردو معاشرے کی اکثریت آباد ہے جب کہ اردو تعلیم کے حالات جنوبی ہند میں بہتر ہیں۔ انھوں نے مطالبہ کیا کہ دس فیصد اردو بولنے والے جس ضلع میں ہوں، جس تحصیل میں ہوں، جس بلاک میں ہوں، جس گاؤں میں ہوں، وہاں انھیں وہ تمام سہولیات ملنی چاہئیں جو ذو لسانی علاقے کے لوگوں کو ملتی ہیں۔ تعلیم کا دائرہ وسیع ہو رہا ہے اس لیے اردو میڈیم کو ہمیں درجہ پانچ تک محدود کرنا ہوگا۔ درجہ چھے سے دس تک کے لیے اردو کی تعلیم پر زبانِ اول اور لازمی زبان کی حیثیت سے زور دینا ہوگا۔ تین سو کی آبادی پر اردو میڈیم اسکول کھلوانے کے مطالبے پر اردو والوں کو زور دینا چاہیے۔ مرکزی حکومت کے تعلیم پر خرچ ہونے والے بجٹ کا 6 فیصد اردو کو ملنا چاہیے۔ دنیا نئی تہذیب کی طرف جا رہی ہے لیکن ہر لسانی، تہذیبی گروہ اپنے تشخص کے ساتھ قائم رہے گا اور اردو بھی اپنے رسم خط کے ساتھ قائم رہے گی۔ اردو کی روح اس کے رسم خط میں ہے۔

اس موقعے پر قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے ڈائرکٹر ڈاکٹر حمید اللہ بھٹ نے افتتاحی تقریر کرتے ہوئے کہا کہ پچھلے پچاس برس میں یہ فکر پروان چڑھی کہ انگریزی بولنے والا ہی بڑا عالم ہے جبکہ یہ سچ نہیں ہے؛ لیکن اس کو کیا کریں کہ ایک طرف اپنے تشخص، اپنی تہذیب، اپنی زبان اپنے تمدن اپنی جڑوں کی پہچان کے لیے اردو کے قریب ہیں تو دوسری طرف انفارمیشن ٹکنالوجی کا ابھرتا ہوا سیلاب ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ تعلیمی نظام پر اس کا کیا اثر پڑے گا۔ جب اردو ذریعہ تعلیم کی ضرورت تھی اس وقت یہ سہولت نہیں ملی۔ اب تقاضے بدل گئے، سماج بدل گیا۔ ماضی دہرانے سے مستقبل درخشندہ نہیں بنتا۔

تقریب کی صدارت جناب خواجہ حسن ثانی نظامی نے اور نظامت ڈاکٹر عقیل احمد نے کی۔

ادبی پینل اور اردو انسائیکلوپیڈیا پینل کی میٹنگ

اردو زبان و ادب کا فروغ و استحکام قومی اردو کونسل کے بنیادی مقاصد میں شامل ہے۔ اس کے لیے قومی اردو کونسل کا ادبی پینل وقتاً فوقتاً اپنی میٹنگوں میں ادب کے بہترین سرمایے کی فراہمی کے لیے مختلف پروجیکٹوں اور اشاعتِ کتب سے متعلق سفارشات کرتا ہے۔ ادبی پینل کی ایک میٹنگ پروفیسر شمس الرحمان فاروقی کی صدارت میں 26/ فروری کو منعقد ہوئی جس میں پروفیسر سیدہ جعفر (حیدرآباد)، پروفیسر سید جعفر رضا (الہ آباد)، ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ اور ڈاکٹر ایس اے ایس رضوی نے شرکت کی۔ اس میٹنگ میں درج ذیل امور زیر بحث آئے اور ان پر فیصلے لیے گئے:

جامع اردو انسائیکلوپیڈیا: جامع اردو انسائیکلوپیڈیا کی تاریخ اور جغرافیہ پر مبنی دو جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ اس سیریز کی ایک اور جلد (ادبیات) تکمیل کے آخری مرحلے میں ہے۔ اس جلد کے لیے چند اہم نوشتے لکھنے کی ذمےداری پروفیسر شمس الرحمان فاروقی کو سونپی گئی۔

اردو زبان و ادب انسائیکلوپیڈیا: اس پروجیکٹ کے تحت نوشتے لکھنے کا کام ماہرین نے شروع کر دیا ہے۔ ان کے کام کے استحقاق کے لیے ماہرین کے نام اتفاق رائے سے تجویز کیے گئے۔

اردو زبان و ادب کی تاریخ: کونسل نے اردو زبان و ادب کی 1700 تک کی تاریخ پر پانچ جلدیں شائع کر دی ہیں۔ اٹھارویں صدی سے عہد حاضر تک کی تاریخ پر چھے جلدیں شائع ہوں گی اور انڈیکس اور اپینڈکس پر مشتمل ایک جلد ہوگی، یوں یہ پورا پروجیکٹ 12 جلدوں کو محیط ہوگا۔

کلاسیکی ادب: پینل نے سنسکرت، عربی اور فارسی کے کلاسیکی ادب کے اردو تراجم شائع کرنے کی سفارش کی۔ اس کے علاوہ گیان پیٹھ انعام یافتہ ادیبوں کی تخلیقات کے ترجمے کی تجویز بھی منظور ہوئی۔

رباعیاتِ فراق: فراق گورکھپوری کی شاعری کو مرتب کرنے کا کام جناب کالی داس گپتا رضا کر رہے تھے۔ رباعیات پر مشتمل جلد کا مسودہ انھوں نے اشاعت کے لیے کونسل کو دے دیا تھا جو جلد ہی منظر عام پر آ جائے گا۔

کلیاتِ اکبر الہ آبادی: اکبر کے کلیات کی اشاعت اردو اور دیوناگری دونوں رسم خط میں (ایک صفحے پر اردو ایک صفحے پر ہندی) عمل میں آئے گی۔

سوانح انیس: میر انیس کی سوانح پر پروفیسر نیر مسعود کا پروپوزل پینل نے اشاعت کے لیے منظور کیا۔ اس کے علاوہ گذشتہ پچاس سال کے نمائندہ ادب کی Anthology شائع کرنے کا فیصلہ بھی پینل نے کیا۔

کیلی گرافی اور گرافک ڈیزائن کورس کے نصاب کی تیاری کے لیے ورک شاپ

خطاطی اور کتابت ہمارا اہم ورثہ ہے جس نے ماضی میں ہندستانی ثقافت کو بہترین آرٹسٹ اور فن کار دیے ہیں، لیکن موجودہ دور کے ٹکنالوجیکل نظام میں اس فن کی اہمیت کم ہو گئی اور اس کا وجود خطرے میں پڑ گیا ہے۔ خطاطوں اور کاتبوں کے لیے روزگار کے مواقع میں بھی بے حد کمی آئی ہے۔ اس فن کو جدید عصری تقاضوں سے ہم آہنگ

کرنے کے لیے کونسل نے کیلی گرافی یا کتابت کے فن کو جدید گرافک ڈیزائنگ کے ساتھ شامل کرکے تربیتی کورس شروع کرنے کا فیصلہ کیا ہے تاکہ نہ صرف اس قدیم فن کی حفاظت کی جاسکے بلکہ کاتبوں اور خطاطوں کو روزگار کے باوقار مواقع بھی ملیں۔

کمپیوٹر آنے کے بعد کتابت کی اہمیت کم ہوئی ہے۔ اس صورت میں اگر کتابت سکھانے کے بعد کمپیوٹر کی بھی تربیت دی جائے تو روزگار کے زیادہ مواقع مہیاہوں گے، اردو کے ساتھ ہندی اور انگریزی سے بھی واقفیت ہوگی اور اس سے ان کی مارکیٹ میں مانگ بڑھے گی۔ اس سلسلے میں قومی اردو کونسل نے کیلی گرافی اور گرافک ڈیزائن مانیٹرینگ کمیٹی تشکیل دی ہے جس کی میٹنگیں وقتاً فوقتاً منعقد ہوتی رہی ہیں اور کورس شروع کرنے سے متعلق اہم فیصلے لیے جاتے رہے ہیں۔

کمیٹی نے کورس کا جو لائحۂ عمل مرتب کیا ہے اس کے مطابق کونسل کے دو سالہ کیلی گرافی اور گرافک ڈیزائن کورس کے لیے اساتذہ اور کاتبوں کو جامعہ ملیہ اسلامیہ میں سات ہفتے کی ٹریننگ بھی مہیا کی گئی۔ ٹریننگ کے علاوہ کورس کے لیے نصابی کتابیں تیار کی جارہی ہیں جن میں تھیوری میں کورس کے تمام مشمولات کا احاطہ ہوگا۔ طلبہ کے لیے ورک بک پر بھی کام کیا جارہا ہے۔

نصابی کتب کے مواد پر غور وخوض کرنے کے لیے پانچ روزہ ورک شاپ پروفیسر ظہور زرگر (جامعہ ملیہ اسلامیہ) کی صدارت میں قومی اردو کونسل کے دفتر میں 27/ فروری تا 3/ مارچ 2001 کو منعقد کیا گیا۔ اس میں ماہرین کی حیثیت سے جناب انیس صدیقی (دہلی)، جناب خورشید عالم خاں ٹونکی (راجستھان)، جناب انیس چشتی (پونے) اور جناب مرغوب احمد (نئی دہلی) شریک ہوئے۔ قومی اردو کونسل کی جانب سے ڈاکٹر ایس اے ایس رضوی (کنوینر) اور جناب انتخاب احمد شریک ہوئے۔ گرافک ڈیزائن کے نصاب پر پروفیسر ظہور زرگر اور خطاطی کے نصاب پر جناب انیس چشتی نظر ثانی کررہے ہیں۔ کونسل کی جانب سے یہ ڈپلوما یکم اپریل سے ہندستان بھر میں 23 مراکز پر شروع کیا جارہا ہے۔ دو سالہ ٹریننگ کے آخری تین مہینوں میں کمپیوٹر پر گرافک ڈیزائن کی تربیت بھی طلبہ کو دی جائے گی۔

مراسلاتی کورس کمیٹی کی ریویو میٹنگ

اردو کا رسم خط سکھانے کے لیے یوں تو کئی کتابیں موجود ہیں لیکن ایسے طالب علموں کی ضرورت کے پیش نظر جن کے لیے باقاعدہ کلاس روم میں جاکر اردو پڑھنا ممکن نہیں ہے، ایسے مراسلاتی کورس کی اشد ضرورت ہے جو جدید ترین معیاروں کو سامنے رکھ کر تیار کیا گیا ہو تاکہ اردو ادب کا سرمایہ اپنے ہی رسم خط میں وسیع تر حلقوں تک پہنچ سکے۔ اسی لیے قومی اردو کونسل نے ہندی اور انگریزی کے ذریعے اردو سکھانے کا کورس نئے سال کے ساتھ جنوری سے شروع کردیا ہے۔ اس کورس کا مقصد ایسے لوگوں کو اردو رسم خط سکھانا ہے جو اردو ہندی زبانیں بولنا جانتے ہیں۔

اس کورس میں اب تک تقریباً تین ہزار طلبہ کو رجسٹریشن دیا جاچکا ہے۔ درسی مواد بھیجنے، طالب علم کی پروگریس جاننے اور امتحان لینے کے طریقوں پر فیصلہ کرنے کے لیے مراسلاتی کورس کمیٹی کی ریویو میٹنگ پروفیسر گوپی چند نارنگ کی صدارت میں 13/ فروری 2001 منعقد کی گئی جس میں مرکزی ہندی ڈائریکٹوریٹ سے جناب دیپک پانڈے اور ڈاکٹر نوتن شرما کو بھی مدعو کیا گیا۔ اس میٹنگ میں قومی اردو کونسل کے ڈاکٹر ایم جے وارثی اور جناب کلیم اللہ موجود تھے۔

اس میٹنگ میں مراسلاتی کورس سے متعلق انتظامی اور تکنیکی امور پر فیصلے لیے گئے اور امتحان کے مرحلے کو بلا تاخیر سر کرنے اور طالب علم کو وقت پر امتحان کا نتیجہ فراہم کرنے کے لیے لائحۂ عمل مرتب کیا گیا۔

لا پینل کی دوسری میٹنگ

معاصر علوم کو اردو جاننے والے لوگوں تک منتقل کرنا قومی اردو کونسل کے بنیادی مقاصد میں شامل ہے۔ اس لیے کونسل نے مختلف النوع اور اہمیت کے حامل علوم پر بہترین مواد کی اشاعت کے لیے الگ الگ پینلوں کی تشکیل کی ہے جو وقتاً فوقتاً اپنی مختلف میٹنگوں میں بہترین کتب کی اشاعت سے متعلق فیصلے لیتے ہیں۔ کونسل نے گذشتہ دنوں قانون پینل کی تشکیل کی تھی جس کے چیئرمین پروفیسر طاہر محمود، سابق چیئرمین اقلیتی کمیشن ہیں۔ قانون پینل کی پہلی میٹنگ انھی کی صدارت میں قومی اردو کونسل کے دفتر میں 22/ مئی 2000ء کو منعقد ہوئی تھی جس میں قانون کی کئی اہم اور گرانقدر کتب کے تراجم کا کام ماہرین کو تفویض کیا گیا تھا اور پہلے سے ترجمہ شدہ کتب پر نظر ثانی کے لیے بھی ماہرین سے درخواست کی گئی تھی۔

پینل کی دوسری میٹنگ 9/ جنوری 2001 کو قومی اردو کونسل کے دفتر میں پروفیسر طاہر محمود کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ پروفیسر نذیر حسن خاں (اے ایم یو علی گڑھ)، جناب جے سی بترا (ایڈووکیٹ سپریم کورٹ، نئی دہلی) اور محترمہ جسونت کور (وزارتِ قانون، حکومتِ ہند) اس پینل کے اراکین کے طور پر موجود تھے۔ میٹنگ میں قانون کی مختلف کتابوں پر جاری کام کا جائزہ لیا گیا اور ماہرین سے جلد از جلد کام کی تکمیل کی درخواست کی گئی۔ آصف اے اے فیضی کی کتاب آؤٹ لائنز آف محمڈن لا کے دوبارہ ترجمے کا فیصلہ کیا گیا۔ اجلاس کو بتایا گیا کہ انڈین پینل کوڈ ایکٹ 45 (1860) کا مسودہ اشاعت کے لیے تیار ہے۔ کوڈ آف سول پروسیجر 1908 بھی اشاعت کے مراحل میں داخل ہو گیا ہے۔ ایم پی جین کی کتاب ہندستان کی قانونی تاریخ، جس کا

اردو ترجمہ جناب انوار الیقین صاحب نے کیا ہے، دو حصوں میں اشاعت کے لیے تیار ہے۔ ''بھارت کا آئین'' کا تیسرا ایڈیشن بھی اسی ماہ منظر عام پر آجائے گا۔ آئندہ کے لیے لا پینل نے سینٹرل ایکٹس (Central Acts) اور بیئر ایکٹس (Bare Acts) کی اشاعت کا بھی فیصلہ کیا۔ اس کے علاوہ قانون کی اصطلاحات پر نظر ثانی کے لیے ورک شاپوں کا انعقاد بھی پروفیسر طاہر محمود کی صدارت میں کیا جائے گا۔ میٹنگ میں کچھ نئی کتابیں بھی ترجمے کے لیے منتخب کی گئیں۔

قومی اردو کونسل کے ایگزیکٹیو بورڈ کی آٹھویں میٹنگ

قومی اردو کونسل کے ایگزیکٹیو بورڈ کا اجلاس سال میں کم سے کم دو مرتبہ ہوتا ہے جس میں کونسل کے انتظامی امور طے کیے جاتے ہیں۔ کونسل کے ایگزیکٹیو بورڈ کی آٹھویں میٹنگ پروفیسر گوپی چند نارنگ کی صدارت میں 9/مارچ 2001 کو انڈیا انٹر نیشنل سینٹر میں ہوئی جس میں جناب من موہن شرما، جناب محمد یوسف ٹینگ اور پروفیسر سید جعفر رضا اراکین کی حیثیت سے شریک ہوئے۔ وزارت ترقی انسانی وسائل کی نمائندگی مسز بیلا بنرجی (جوائنٹ سکریٹری لینگویجز)، جناب لپا منیو چیٹرجی (ڈائرکٹر لینگویجز)، جناب اے کے قاسم (انڈر سکریٹری IFD) اور جناب ٹی آر پرساد (ڈسک آفیسر لینگویجز) نے کی۔

میٹنگ کی ابتدا میں علی سردار جعفری کو خراج عقیدت پیش کیا گیا اور پھر جناب کالی داس گپتا رضا اور محترمہ جیلانی بانو کو پدم شری خطاب سے سرفراز کیے جانے پر تہنیتی قرارداد پیش کی گئی۔

اس کے بعد میٹنگ کا باقاعدہ آغاز گذشتہ میٹنگ کی روداد کے Confirmation کے ساتھ ہوا۔ میٹنگ میں گذشتہ ایک سال میں کونسل کے فیصلوں پر عمل آوری کا جائزہ لیا گیا، فنانس کمیٹی کے اجلاس کی روداد کی توثیق کی گئی، سال 99-1998 کی آڈٹ رپورٹ کا جائزہ لیا گیا اور سال 2000-1999 کی سالانہ رپورٹ کا جائزہ لیتے ہوئے اس میں کونسل کے چند اہم پروجیکٹوں پر خصوصی توجہ دے کر تفصیلات شامل کرنے کی تجویز رکھی گئی۔ اس کی رو سے کمپیوٹرائزڈ کیلی گرافی ٹریننگ اسکیم، کیلی گرافی اینڈ گرافک ڈیزائن اسکیم اور اردو پریس کی ترقی سے متعلق اسکیم پر تفصیلی روشنی ڈالی جائے گی۔ کمپیوٹرائزڈ کیلی گرافی تربیتی مراکز کے قیام سے متعلق کام کی رفتار اور مراسلاتی کورس میں جاری کام کا بھی جائزہ لیا گیا۔ کونسل کے وائس چیئرمین پروفیسر نارنگ نے بورڈ کے اراکین کو مطلع کیا کہ سال رواں کے آخر میں این بی ٹی کی جانب سے گاندھی جی کی یاد میں ماریشس میں کتاب میلہ لگایا جائے گا جس میں قومی اردو کونسل کا تعاون شامل رہے گا۔

کامرس کی اصطلاحات پر کام مکمل

قومی اردو کونسل نے معاصر علوم کی اردو زبان میں منتقلی کے لیے جو عملی اقدام کیے ہیں ان میں مختلف علوم کی اصطلاحات کا اردو ترجمہ بھی شامل ہے تاکہ مترجمین کے کام میں یکسانیت ہو اور ایک لفظ کے لیے ایک ہی اصطلاح رائج ہو جائے۔ یہ زبان کے استحکام کے لیے بے حد ضروری ہے۔ اب تک کونسل نے سائنس، سیاسیات، طب وغیرہ کی اصطلاحات شائع کردی ہیں۔ کامرس کی اصطلاحات کے لیے ریویو کمیٹی بنائی گئی ہے جس کے چیرمین ڈاکٹر ریاض عمر، (پرنسپل ذاکر حسین کالج (ایوننگ) ہیں۔

10/اکتوبر سے دسمبر 2000 کے دوران تین ورک شاپ ڈاکٹر ریاض عمر کی صدارت میں منعقد ہوئے تھے جن میں پانچ ہزار اصطلاحوں کو غور وفکر کے بعد فائنل کیا گیا۔ گذشتہ تین مہینوں میں 3 اور ورک شاپ 3 تا 5 جنوری، 15 تا 17 فروری اور 29 تا 31/مارچ 2001 کے دوران منعقد کیے گئے۔ ان میں چیئرمین پروفیسر ریاض عمر کے علاوہ پروفیسر شاہد وسیم (علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی)، ڈاکٹر نسیم احمد (ڈاکٹر ذاکر حسین کالج، دہلی)، ڈاکٹر ایم مصطفا (دہلی)، ڈاکٹر افتخار علوی (دہلی) اور ورک شاپ کے کنوینر ڈاکٹر ایس اے ایس رضوی اور آر اے بیگم مسرت جہاں نے شرکت کی۔ ان تمام ورک شاپوں میں کامرس کی تقریباً 8 ہزار اصطلاحات کو فائنل صورت دی گئی۔ یہ کام اب کمپوزنگ، پروفنگ اور اشاعت کے مراحل سے گزر کر جلد ہی اسکالرز کے استفادے کے لیے منظر عام پر آجائے گا۔

بلک پرچیز اسکیم کے تحت کتب کی تھوک خریداری

بلک پرچیز اسکیم کے تحت قومی اردو کونسل مصنفین و مترجمین کی مالی معاونت کے خیال سے ان کی کتابیں بڑی تعداد میں خرید کر مختلف اداروں اور کتب خانوں کو اعزازی طور پر بھیجتی ہے، سال رواں 2001-2000 میں کونسل نے 118 ٹائٹلز پر مشتمل تقریباً آٹھ لاکھ روپے کی کتابیں خرید کر 16 ریاستوں کی 245 لائبریریوں کو تحفتاً بھیجیں۔

کتاب میلوں میں کونسل کی شرکت

قومی اردو کونسل ملک بھر میں منعقد ہونے والے کتاب میلوں میں اپنا اسٹال لگاتی ہے تاکہ اردو کی Visibility بڑھے اور اردو داں حلقوں میں کتب بینی کے شوق کو فروغ حاصل ہو۔

گذشتہ تین ماہ میں کونسل نے کلکتہ اور لکھنؤ میں لگنے والے دو کتاب میلوں میں شرکت کی۔ کولکتہ میں کتاب میلہ ہر برس Publishers & Book Sellers Guild کی جانب سے لگایا جاتا ہے۔ اس سال یہ میلہ 31 جنوری سے 11 فروری کے دوران لگایا گیا۔ قومی اردو کونسل کے اسٹال سے اس میلے میں ایک لاکھ 63 ہزار روپے کی کتب فروخت ہوئیں۔ لکھنؤ میں کتاب میلہ کمیٹی کی جانب سے لگائے گئے میلے (9 تا 18/فروری 2001) میں 56 ہزار روپے کی کتابیں فروخت ہوئیں۔

اردو خبر نامہ

ہندستانی زبانوں کی کونسل کا قیام

● حکومتِ ہند کی وزارتِ ترقیِ انسانی وسائل کے محکمہ ثانوی واعلا تعلیم نے ہندستانی زبانوں کے فروغ کے لیے ایک کونسل (Council for Promotion of Indian Languages) کی تشکیل کا فیصلہ کیا ہے جس کے چیئرمین وزیرِ اعظم اور نائب چیئرمین، وزیرِ مملکت برائے ترقیِ انسانی وسائل ہوں گے۔ ان کے علاوہ درج ذیل اراکین ہوں گے ڈاکٹر ودیا نواس مشر، وارانسی، ڈاکٹر یو آر اننتھا مورتی، میسور، ڈاکٹر نبودیتا دیب سین، کولکاتا، ڈاکٹر ایل ایم سنگھوی، نئی دہلی، جناب اشوک واجپئی، نئی دہلی، پروفیسر گوپی چند نارنگ، نئی دہلی، ڈاکٹر سی نرائن ریڈی، نئی دہلی، ڈاکٹر ہری چندرن، کولکاتا، جناب پریم شنکر بھٹ، نئی دہلی، پروفیسر اولیویٹ گومز، گوا، پروفیسر پی سی نائر، کیرل، پروفیسر ایم ایس ہنگونوا، امپھال، پروفیسر نربہادر رائے، شیلانگ، پروفیسر سی جی داسوانی، نئی دہلی، پروفیسر اناملائی، میسور، پروفیسر چندر کانت بندی واڈیکر، ممبئی، پروفیسر سائمیلن بھدالی، گوہاٹی، پروفیسر مہیپ سنگھ، نئی دہلی، پروفیسر ایچ کے کول، دہلی، ڈاکٹر دھرم پال گھل، جالندھر، جناب برج کشور شرما، نئی دہلی، ایجوکیشن سکریٹری، حکومتِ ہند اس کونسل کے ممبر سکریٹری ہوں گے۔ اس 24 رکنی کونسل کا کام آئینِ ہند کے آٹھویں شیڈول میں شامل زبانوں کی ترقی، ترویج اور فروغ سے متعلق امور پر حکومتِ ہند کو مشورہ دینا ہوگا۔ کونسل کی میٹنگیں چیئرمین کے مشورے کے مطابق وقتاً فوقتاً منعقد کی جائیں گی۔ اس کونسل کی مدتِ کار دو سال ہے۔

دہلی میں بی کورس میں اردو مضمون لینے کی اجازت

● سی بی ایس ای نے اردو میڈیم طلبہ کو بی کورس کے تحت اردو لینے کی اجازت دے دی ہے۔ قومی اردو کونسل اس سلسلے میں برابر کوشاں تھی۔ سی بی ایس ای کے ڈائرکٹر بالا سبرامنیم کی اطلاع کے مطابق سی بی ایس ای سے ملحق تمام اسکولوں کو سرکلر بھیجا جارہا ہے کہ سنہ 2001 سے نویں کلاس سے اردو طلبہ بی کورس کے تحت اردو بحیثیت مضمون لے سکتے ہیں جو دسویں کا امتحان 2002 میں دیں گے۔ اردو کورس بی میں جو نصابی کتابیں شامل ہیں انھیں این سی ای آر ٹی نے شائع کر دیا ہے۔

رام پور میں عرشی میموریل لیکچر

● رام پور مارچ۔ رام پور رضا لائبریری کی تاریخی اور پرشکوہ عمارت رنگ محل میں تیسرے مولانا عرشی میموریل لکچر کے تحت "مولانا محمد علی جوہر: شخص اور شاعر" کے موضوع پر اردو کی بین الاقوامی شخصیت پروفیسر گوپی چند نارنگ نے توسیعی خطبہ پیش کیا جس کی صدارت پروفیسر عتیق اللہ، صدر شعبۂ اردو، دہلی یونی ورسٹی نے کی اور مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے پروفیسر زاہد حسین زیدی (وائس چانسلر، روہیلکھنڈ یونی ورسٹی، بریلی) نے شرکت کی۔ اس موضوع پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے پروفیسر گوپی چند نارنگ نے کہا کہ مولانا محمد علی جوہر کو سیاسی قائد کے طور پر تو سب جانتے ہیں لیکن ان کی شاعری کی قومی اور انقلابی معنویت سے پوری طرح بحث نہیں کی گئی۔ وہ کردار اور گفتار دونوں کے غازی تھے۔ ان کے عزم میں فولاد کی سی پختگی، جذبے میں آتش فشاں لاوے کی سی حدت اور ولولے میں سیلِ بے پناہ کی سی تندی و تیزی تھی۔ شاعری میں انھوں نے بڑی حد تک اس طرزِ فغاں کو اپنایا جس کی بنیاد شبلی کے رچے ہوئے ذوقِ تغزل، رنگینیِ بیاں اور طنزیہ انداز نے ڈالی تھی۔ عام طور پر مولانا محمد علی جوہر کی شاعری پر روایتی، عاشقانہ رنگ کا دھوکا ہوتا ہے لیکن دراصل ایسا نہیں ہے۔ غور سے دیکھیں تو پتا چلتا ہے کہ عاشقانہ لے کی رمزیت کے پردے میں سامراج دشمنی کی لے عاشقانہ لے کے ساتھ ساتھ چلتی ہے۔ پروفیسر نارنگ نے کہا کہ افسوس ہے کہ اردو کی قومی شاعری میں مولانا محمد علی جوہر کا اتنا ذکر نہیں کیا جاتا جتنا اس کا حق ہے۔ مولانا کی شاعری دراصل وطن کے عشق، ملت کے عشق اور آزادیِ ہند کے عشق سے سرشار ہے۔

پروفیسر گوپی چند نارنگ نے کہا کہ مولانا محمد علی جوہر کی غزلوں کی رمزیت مولانا حسرت موہانی کی غزلوں کی اشاریت اور تغزل سے بہت قریب ہے۔ اس پہلو پر غائر نظر نہیں ڈالی گئی ہے۔ محمد علی جوہر کے یہاں اس اشاریت کو نئے معنی دیے گئے ہیں اور ان کی زندانی شاعری کا سایہ فیض احمد فیض کی شاعری پر بھی پڑا ہے۔

پروفیسر گوپی چند نارنگ نے مولانا محمد علی جوہر کی تحت الشعوری Death Wish کا بھی تجزیہ کیا اور اشعار سے بحث کرتے ہوئے بتایا کہ جذبہ شوقِ شہادت اور قتل و خون کے متعلقات ان کی

شاعری میں خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ پروفیسر نارنگ نے مولانا کی مشہور غزل کا شعر:

قتلِ حسین اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

سے بھی مفصل بحث کی اور ثابت کیا کہ کربلا کے ساتھ "ہر" کے لفظ کے تصور سے اس استعارے میں پوری انسانیت کی وسعت پیدا ہو جاتی ہے۔ پروفیسر نارنگ نے اپنے خیال افروز اور جامع لکچر میں دار و رسن اور سنت منصور کے استعاروں سے بھی بحث کی جن سے مولانا محمد علی جوہر کی شاعری اپنی ترغیب ذہنی حاصل کرتی ہے۔

پروفیسر گوپی چند نارنگ نے رامپور رضا لائبریری او ایس ڈی ڈاکٹر وقار الحسن صدیقی کے ذریعے کیے جانے والے علمی کاموں کی تعریف کی اور توقع ظاہر کی کہ مستقبل میں بھی یہ ادارہ اپنی روایات کو برقرار رکھتے ہوئے علم و ادب کی خدمت کی اہم ذمے داری ادا کرتا رہے گا۔ اس موقعے پر وائس چانسلر روہیلکھنڈ یونی ورسٹی پروفیسر زاہد حسین زیدی نے اپنی تقریر میں کہا کہ پروفیسر گوپی چند نارنگ پوری اردو دنیا کے نامور دانشور اور ادیب ہیں۔ انھوں نے مولانا محمد علی جوہر پر نہایت ہی وقیع خطبہ پیش کیا جو خاص ان کا ہی حصہ ہے۔ تحریر و تقریر میں آج ان کا کوئی بدل نہیں۔

صدارتی کلمات پیش کرتے ہوئے پروفیسر عتیق اللہ نے کہا کہ قوم جو غفلت کی نیند سو رہی ہے، ایسے وقت میں مولانا محمد علی جوہر کا پیغام قوم کی زندگی کے لیے اکسیر کا درجہ رکھتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ مولانا محمد علی جوہر اپنی فکر اور عمل کے اعتبار سے ایک انقلابی شخصیت کے مالک تھے۔ پروفیسر عتیق اللہ نے کہا کہ آج ضرورت ہے کہ ہم اس عظیم شخصیت کے نقش قدم پر چلیں اور اپنے سینے میں وطن کی محبت کے لیے وہی تڑپ پیدا کریں جس سے مولانا سرشار تھے۔ اس محفل کی نظامت رامپور رضا لائبریری کے او ایس ڈی ڈاکٹر وقار الحسن صدیقی نے کی۔ محفل کے آغاز پر ڈاکٹر صدیقی نے رضا لائبریری کی علمی و ادبی سرگرمیوں پر روشنی ڈالی۔ پروفیسر گوپی چند نارنگ کے عرشی میموریل لکچر شروع ہونے سے قبل رضا لائبریری کی جدید مطبوعات میں سے "شاہکار شعری انتخاب" مرتب: شوکت علی خاں ایڈوکیٹ، عربی کیٹلاگ کی انڈکس (عربی) مرتب: ابو سعد اصلاحی اور احد اللہ خاں آزر نعمانی کا مجموعۂ کلام "صنم کدہ" کی رسم اجرا مہمانِ خصوصی پروفیسر زاہد حسین زیدی، وائس چانسلر روہیلکھنڈ یونی ورسٹی، پروفیسر گوپی چند نارنگ اور پروفیسر عتیق اللہ کے ہاتھوں عمل میں آئی۔

اسی شب عرشی میموریل لکچر کے سلسلے سے "شامِ غزل" کا اہتمام کیا گیا تھا جس میں مشہور ٹی وی پلے بیک سنگر مسٹر جمیل احمد نے اپنی دلکش غزل سرائی سے سامعین کو محظوظ کیا۔

اس موقعے پر معزز مہمانوں کے اعزاز میں رامپور کی معروف سماجی تنظیم انجمنِ اصلاحِ قوم کی جانب سے شمسی گرلس ہائی اسکول کے شاندار کیمپس میں ایک استقبالیہ تقریب کا انعقاد کیا گیا۔ جس میں کثیر تعداد میں دانشورانِ شہر اور محبانِ اردو نے شرکت کی۔ پروفیسر گوپی چند نارنگ نے "اردو قومی اور عالمی تناظر میں" کے موضوع پر خصوصی خطاب فرمایا۔ انھوں نے اردو کے لسانی، ادبی اور تہذیبی مسائل کو نہایت وسیع پس منظر میں پیش کرتے ہوئے کہا کہ اردو کے مسائل دراصل ایک بڑے تہذیبی اور قومی کرائسس (Crisis) کا حصہ ہیں۔ اردو زبان آج دنیا بھر میں ایشیا کی ایک بڑی زبان کے طور پر پھیل رہی ہے لیکن وہیں اردو اپنے گھر میں بے گھر ہے اور شدید نوعیت کی حق تلفیوں کا شکار ہے۔ آزادی کے بعد پچاس برس شدید غلط فہمیوں کے برس تھے۔ ادھر کے پچیس برس ان غلط فہمیوں کے کچھ کم کرنے کا زمانہ ہے۔ انھوں نے کہا کہ سرکاروں کی سرپرستی کی اہمیت اپنی جگہ پر ہے لیکن اصل سرپرستی عوام کی ہوتی ہے۔ اردو جس طرح باوجود حق تلفیوں کے ہندستان میں زور شور سے کئی سطحوں پر زندہ ہے اس سے اردو کی سخت جانی کا اندازہ تو ہوتا ہی ہے، اس بات کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ تاریخی اور عمرانیاتی طور پر پچھلے سات سو سال میں جس طرح سے یہ زبان بڑھی اور پھیلی اور جس طرح سے اس نے قومی اتحاد کے رابطے کا کام کیا وہ تقاضے اب بھی باقی ہیں۔ اردو کا پیغام صدیوں سے امن و آشتی، اتحاد پسندی اور صلح کل کا پیغام ہے۔ پروفیسر نارنگ نے کہا کہ اگر ہمیں فرقہ واریت کا مقابلہ کرنا ہے تو اردو کے اس پیغام کو آج بھی عام کرنے کی اتنی ہی ضرورت ہے لیکن اردو کو بھی اپنا محاسبہ کرنا پڑے گا اور پوری طرح وسعت نظری کا ثبوت دینا ہوگا۔ انھوں نے یہ بھی بتایا کہ زبان کے اعتبار سے ہندستان سب سے گنجان علاقہ ہے۔ یہاں زبانوں کے ساتھ مل کر زبانیں چلتی ہیں۔ اردو والوں کو بھی بجائے Monolingual ہونے کے Multilingual ہونا ہوگا۔ اپنی زبان سے وابستگی برحق ہے اور اردو رسم خط کو زندہ رکھنا اور پڑھانا بے حد ضروری ہے۔ لیکن یہ بھی ضروری ہے کہ اردو معاشرہ انگریزی اور ہندی سے بیگانہ نہ ہو۔ نئی نسلوں کی تربیت کے لیے بہت ضروری ہے کہ انگریزی اور ہندی میں اردو والوں کی استعداد کسی دوسرے سے کم نہ ہو۔

پروفیسر گوپی چند نارنگ نے کہا کہ ہمارے اصل مسائل ابتدائی تعلیمی سطح پر اردو رسم خط میں اردو پڑھانے کے ہیں اور اس معاملے میں سب سے زیادہ حق تلفی اتر پردیش میں ہوئی ہے۔ بہار، دہلی، آندھرا، مہاراشٹر نسبتاً بہتر ہیں۔ پروفیسر نارنگ نے اردو میں شروع ہونے والے سٹیلائٹ چینلوں کا بھی ذکر کیا اور فرمایا کہ اردو کے متمول طبقے کو ان کی پوری سرپرستی کرنی چاہیے۔

عالمی سطح پر اردو کی صورت حال کا جائزہ لیتے ہوئے انھوں نے کہا کہ ایشیا کے تمام ممالک کے علاوہ یوروپ اور افریقہ کے بیشتر ممالک میں بھی اردو بولنے والوں کی کثیر آبادی موجود ہے۔ انھوں نے کہا کہ عالمی سطح پر اردو دنیا کی چند بڑی زبانوں میں سے ایک ہے۔ امریکہ کے تمام بڑے اور جدید شہروں میں اردو نہ صرف ایشیائی آبادیوں میں زندہ ہے بلکہ اس کی تہذیبی روایات واقدار فروغ پا رہی ہیں۔

پروفیسر نارنگ نے کہا کہ غیر سرکاری تنظیموں کو چاہیے کہ وہ آگے آئیں، اردو تعلیم کو عام کریں اور شرح تعلیم خصوصاً عورتوں کی تعلیم کی شرح کو آگے بڑھائیں۔ عورتوں کی شرح خواندگی کو بڑھانا بے حد ضروری ہے۔ انھوں نے مزید کہا کہ مثبت سوچ کے ساتھ اردو کے کاز کو آگے بڑھایا جاسکتا ہے، مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ پروفیسر نارنگ نے اردو کو اپنی مادری زبان کہنے والوں اور اردو سے محبت کرنے والوں سے پرزور اپیل کی کہ وہ اپنے گھروں میں اردو کو رواج دیں اور اس خوبصورت زبان کو نئی نسلوں تک منتقل کریں۔

اپنے خصوصی خطبے کو پیش کرنے سے قبل ڈاکٹر نارنگ نے قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی کے رامپور کمپیوٹر سینٹر (شمسی انسٹی ٹیوٹ آف کمپیوٹر اسٹڈیز) کا معائنہ کیا۔ طلبہ و طالبات، ذمے داران، انسٹرکٹرس اور سپروائزر سے گفتگو کی۔ طالبات کی فائلوں کا بغور مطالعہ کیا، ان کے مسائل پر گفتگو کی اور یہ بتایا کہ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی کے ایک سو کمپیوٹر سینٹر پورے ہندستان میں چلائے جارہے ہیں، بہت جلد ان کی تعداد ڈیڑھ سو تک پہنچ جائے گی۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ کونسل کا بجٹ دو سال قبل صرف ایک کروڑ روپیہ تھا جو بڑھ کر آٹھ کروڑ روپے ہوگیا ہے۔ پروفیسر نارنگ نے شمسی گرلس ہائی اسکول رامپور میں مولانا آزاد نیشنل اردو یونی ورسٹی کے اسٹڈی سینٹر کے بارے میں بھی جانکاری حاصل کی اور کہا کہ اردو یونی ورسٹی کے کام میں مزید تیز رفتاری آنی چاہیے اور شمالی ہند میں یونی ورسٹی کے اسٹڈی سینٹرز کی تعداد میں اضافہ ہونا چاہیے۔

اس یادگار استقبالیہ تقریب میں خصوصی خطاب سے پہلے معزز مہمانان پروفیسر گوپی چند نارنگ اور پروفیسر عتیق اللہ کی گلپوشی کی گئی۔ اس کے بعد اراکین انجمن اصلاح قوم مسلم پنجابیان رامپور کی جانب سے محمد وسیم صاحب نے سپاس نامہ پیش کیا۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے کمپیوٹر سینٹر کی توسیع اور مولانا آزاد نیشنل اردو یونی ورسٹی کا ریجنل سینٹر رامپور میں قائم کیے جانے سے متعلق ایک عرضداشت اراکین انجمن کی جانب سے حافظ ساجد الحق صاحب نے پیش کی۔ رامپور کے بزرگ اور استاد شاعر ڈاکٹر شوق اثری نے اردو اور معزز مہمانان کے تعلق سے اپنے منظوم جذبات کا اظہار کیا۔ اس موقعے پر صدر شعبۂ اردو دہلی یونی ورسٹی ڈاکٹر عتیق اللہ صاحب نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے تعلیم کی ضرورت اور اہمیت پر زور دیا۔ انھوں نے کہا کہ حالات اس بات کے متقاضی ہیں کہ ہم تعلیم کے میدان میں پوری یکسوئی، لگن اور مستقل مزاجی کے ساتھ کام کریں۔ انھوں نے ہندستان میں مسلمانوں کو تعلیم جدید سے جوڑنے کے لیے سرسید کی خدمات کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے اپیل کی کہ سرسید کے نظریات کے مطابق آج تعلیم کے میدان میں انقلاب کی ضرورت ہے۔

اس جلسے کی نظامت سکریٹری انجمن جناب عاصم راجہ نے کی۔ مہمانوں کا تعارف ڈاکٹر شہزاد انجم صاحب (شعبۂ اردو، گورنمنٹ گرلس پی جی کالج رامپور) نے پیش کیا اور صدر انجمن الحاج حبیب احمد صاحب نے جلسے کی صدارت کی۔ (ڈاک سے)

اردو اخبارات کو مراعات کا مطالبہ

● آل انڈیا اردو ایڈیٹرس کونسل کا ایک وفد 2/مارچ کو اردو اخبارات کے مسائل کے سلسلے میں وزیراعظم سے ملا۔ وفد میں لوک سبھا میں ایم پی جناب عبدالرشید شاہین، جناب شیش رام سنگھ روی اور جناب محمد انوارالحق شامل تھے۔ انھیں یہ اطلاع ملی تھی کہ ڈی اے وی پی کی جانب سے متعدد اخبارات کو نہ صرف امسال بلکہ گذشتہ سال تک کے اشتہارات کے نرخ جاری نہیں کیے گئے ہیں اور بہت سے اخبارات کو ناقص چھپائی کا بہانہ بناکر مسترد کردیا گیا ہے اور بہتوں کے اشتہارات کے بل ادا نہیں کیے گئے ہیں۔ وزیراعظم کو آگاہ کیا گیا کہ اشتہارات نہ دیے جانے کے نتیجے میں بہت سے اخبارات یا تو بند ہوگئے ہیں یا بند ہونے والے ہیں۔

کونسل کے وفد نے حکومت سے یہ مطالبہ بھی کیا کہ وہ اپنے جملہ محکموں کو انگلش اور ہندی اخباروں کے ساتھ ساتھ اردو اخباروں کو بھی اشتہارات جاری کرنے اور اپنے اشتہارات کے بجٹ کا

15% حصہ اردو اخبارات کے لیے مختص کرنے کی ہدایت دے۔ وزیراعظم سے اردو اخبارات کے لیے مالیاتی کارپوریشن کے قیام کا مطالبہ بھی کیا گیا تاکہ وہ آسان شرحوں پر قرض حاصل کر کے خود کو جدید ٹکنالوجی سے آراستہ کر سکیں۔ وفد نے کاغذ کے کوٹے کے مسئلے، سرکاری مراعات سے محرومی، اردو صحافیوں کو ایکری ڈیشن میں لاحق پریشانیوں اور رکاوٹوں، ریاستی سرکاروں اور ضلعی انتظامیہ کے اردو اخبارات سے تعصب وغیرہ سمیت متعدد دیگر مسائل اور پریشانیوں سے بھی جناب واجپئی کو مطلع کیا۔

وزیراعظم نے ان تمام مسائل اور دقتوں کو بغور سنا اور ان کے حل کے لیے کوشش کرنے کا یقین دلایا۔ وزیراعظم نے کہا کہ وہ اردو اخبارات کے فروغ اور ترقی کے خواہاں ہیں۔ چنانچہ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کا بجٹ دوگنا کر دیا گیا ہے اور اردو اخبارات کو ٹیلی پرنٹر سروس کا نصف خرچ قومی اردو کونسل ادا کرتی ہے۔ کونسل کاتبوں کو کمپیوٹر کی ٹریننگ دینے کے لیے تربیتی مراکز قائم کر رہی ہے۔

ایڈیٹرس کونسل کے مکتوب کے مطابق ڈی اے وی پی میں پینل ایڈوائزری کمیٹی کی تشکیل کر دی گئی ہے جس میں افسران کے علاوہ پہلی مرتبہ اردو اخبارات کے نمائندوں کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ یہ کمیٹی تمام حالات کا جائزہ لے گی اور مسترد کر دیے جانے والے اخبارات کے معاملوں کی جانچ پڑتال کے بعد انھیں اشتہارات کی فہرست میں شامل کیے جانے کی سفارش کرے گی۔ کونسل نے اشتہارات کے لیے اپنی ایکری ڈیشن کمیٹی کی تشکیل بھی کی ہے۔ کونسل نے شہری ترقیات کی مرکزی وزارت سے دہلی میں کونسل کی عمارت کی تعمیر کے لیے اراضی الاٹ کیے جانے کا مطالبہ کیا ہے تاکہ اس میں دہلی کے باہر کے اخبارات اپنے دفتر قائم کر سکیں اور ان کے نمائندے یہاں قیام کر سکیں۔ مرکزی وزیر شہری ترقیات نے اس مقصد کے لیے جلد ہی کونسل کو زمین الاٹ کیے جانے کا یقین دلایا ہے۔ (ڈاک سے)

انٹرنیٹ پر اردو پورٹل

● انٹرنیٹ پر اردو کے اولین Portai کے ہوسٹ کیے جانے کے ساتھ اب انٹرنیٹ پر اردو براہ راست اردو رسم خط کی شکل میں آنے لگی ہے۔ یہ کارنامہ اردو نیٹ کے چیف ایگزیکیوٹیو افسر اصغر انصاری نے انجام دیا ہے۔ مسٹر انصاری نے یو این آئی کو بتایا کہ اردو نیٹ کا Beta Version 25/دسمبر کو ہوسٹ کیا گیا ہے جس کو دنیا بھر میں اوسطاً دو لاکھ ستر ہزار افراد پڑھ رہے ہیں۔ رواں سال کے اخیر تک اس تعداد کے دس لاکھ تک پہنچ جانے کی امید ہے۔ انھوں نے بتایا کہ اب اردو بھی دوسری بڑی عالمی زبانوں کی طرح براہ راست انٹرنیٹ پر نشر ہوتی ہے یعنی انٹرنیٹ کھولتے ہی آپ راست طور پر اردو دیکھ سکتے ہیں۔ اب اردو کے صفحات کو تصویری شکل میں یا فانٹ ڈاؤن لوڈ کر کے دیکھنے کی ضرورت نہیں اور انٹرنیٹ پر اردو سے متعلق دس لاکھ ویب صفحات موجود ہیں جن تک عام سرچ انجن کے ذریعے رسائی ایک مشکل کام ہے اس لیے اردو نیٹ نے اپنا سرچ انجن ڈیولپ کیا ہے جس کے ذریعے اب ان دس لاکھ صفحات تک سکنڈوں میں پہنچا جاسکتا ہے۔ اس Portal کے کئی چینل ہیں جن میں اردو خبریں، اردو سرچ، اردو ویب ڈائریکٹری، محفل، بزم، اردو ادب اور ساہتیہ (دیوناگری) اردو تہنیت نامے، رائے شماری اور اردو بک ریویو کے چینل شامل ہیں۔ اس کے علاوہ انٹرنیٹ دوستی، لطائف، تفریح بشمول فلمی تفریح، کھیل کود کے چینل بھی شروع کیے گئے ہیں اور جلد ہی براہ راست اردو خبروں کے انٹرنیٹ ٹیلی کاسٹ کے لیے ویب کاسٹنگ اور حقوق انسانی کے علاوہ ہندستانی اقلیتوں سے متعلق بھی چینل شروع کیے جائیں گے۔

اردو نیٹ کا بنیادی مقصد تمام وابستگان اردو کو ایک پلیٹ فارم مہیا کرنا ہے اور اردو کو اطلاعاتی ٹکنالوجی سے مکمل طور پر مربوط کر کے اردو کے ناشرین اور مصنفین کے لیے ایک آن لائن بازار قائم کرنا ہے۔ اردو ادب کو آن لائن پیش کرنے کی کوشش میں سال کے آخر تک پانچ لاکھ صفحات تک کامیابی کی امید ہے۔ سردست 50 ہزار صفحات موجود ہیں جن میں مرزا غالب، علامہ اقبال، فراق گورکھپوری، پریم چند جیسے سو سے زائد ادیبوں اور شاعروں کے مکمل کلیات اور مجموعے شامل ہیں۔

اردو ساہتیہ چینل ہندی جاننے والوں کی اردو تک رسائی کے لیے کھولا گیا ہے۔ فی الحال اس میں بیس ہزار صفحات موجود ہیں اور سال کے اخیر تک ایک لاکھ 80 ہزار صفحات کے اضافے کا نشانہ ہے۔ دیوناگری لپی میں سردست غالب، جوش، عصمت اور اقبال سمیت 50 ادبا وشعرا کا احاطہ کیا گیا ہے۔ محفل چینل آن لائن مذاکرے کا چینل ہے جس میں سیاسی، معاشرتی، تہذیبی اور اقتصادی مسائل پر ہر کوئی

آزادانہ طور پر اپنی آرا پیش کر سکتا ہے۔ "بزم" میں ابھرتے ہوئے ادبا وشعرا اپنی تخلیقات پیش کر سکتے ہیں اور رسم وراہ کا دائرہ بڑھا سکتے ہیں۔

Opinion Poll (رائے شماری) اہم سیاسی، معاشرتی اور اقتصادی امور پر ناظرین کی آرا کے لیے روز ایک سوال پیش کیا جاتا ہے۔ تہنیت ناموں کے لیے اردو گریٹنگ کارڈز کے چینل پر شادی بیاہ، تہوار سمیت خوشی کے ہر موقعے پر آپ اردو میں تہنیت نامے بھیج سکتے ہیں۔ گپ شپ چینل پر براہِ راست دوستوں سے بات چیت کی جاسکتی ہے۔

مسٹر انصاری نے بتایا کہ آج "ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں" کے مصداق اردو ٹکنالوجی کو بھی مزید ڈیولپ کرنے کے لیے اس سلسلے میں مزید تحقیقات کی جارہی ہیں اور امید ہے کہ اس برس کے اختتام تک رسائی کا یہ سلسلہ اور آسان ہو جائے گا۔ سرمایہ کاری کے لیے بیرونی ممالک میں مقیم ہندستانیوں کے سامنے آنے سے کافی حوصلہ افزائی ہوئی ہے۔ (آزاد ہند، کلکتہ)

"خواتین کے مسائل شریعت کی روشنی میں"

دوروزہ سیمینار

● نئی دہلی، 7/اپریل (یو این آئی) مسلم خواتین کے مسائل پر یہاں منعقدہ دوروزہ کانفرنس کے افتتاحی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے مختلف علماء نے کہا کہ قرآن پاک سے الگ کر کے مسائل کو دیکھنے کی وجہ سے ان کی شکل بری طرح مسخ ہوئی ہے۔ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے صدر قاضی مجاہد الاسلام قاسمی نے اپنی افتتاحی تقریر میں اس امر پر افسوس ظاہر کیا کہ خواتین نے اپنے بزرگوں کی تحقیق اور علم دین حاصل کرنے کی روایات کو چھوڑ دیا ہے جو ان کی پریشانیوں کے اسباب میں سے ایک ہے۔ انھوں نے کہا کہ عورت مفتی ہو سکتی ہے، قاضی نہیں وہ محقق اور عالم دین ہو سکتی ہے۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے زیر اہتمام "خواتین کے حقیقی مسائل شریعت کی روشنی میں" کے موضوع پر منعقدہ کانفرنس کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے انھوں نے کہا کہ ہم اپنی بہنوں کے مسائل سے آگاہ ہونا چاہتے ہیں تاکہ خلوص نیت کے ساتھ حل تلاش کیے جاسکیں۔ انھوں نے کہا کہ مرد اور عورت ایک دوسرے کے فریق نہیں بلکہ رفیق ہیں۔

رکن آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ مولانا عبدالکریم پاریکھ نے اپنے صدارتی خطبے میں کہا کہ طلاق کے بارے میں مسلمانوں میں رائج رویہ صحیح نہیں ہے۔ انھوں نے کہا کہ اسلام میں ایک سے زائد شادی کی گنجائش تو ہے لیکن شرائط کے ساتھ۔ اگر کوئی عورت بچہ نہ دے سکے تو مرد کو طلاق کا حق نہیں ہے۔ انھوں نے عورت کو وراثت کا حقدار بتاتے ہوئے کہا کہ جس دن وہ پیدا ہوئی اسی دن سے وہ اپنے ماں باپ کی جائیداد میں وارث ہے۔ شادی کے بعد اسے دو چیزیں ملتی ہیں: مہر اور شوہر کی وراثت۔

کانفرنس کی کنوینر اور جامعہ ملیہ اسلامیہ میں شعبۂ جغرافیہ کی ریڈر ڈاکٹر حسینہ حاشیہ نے اپنی تقریر میں کہا کہ تین طلاق کے بارے میں علماء کے آپسی اختلافات سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ طلاق یافتہ اور خلع یافتہ خواتین کے معاشی مسائل بہت سنگین ہیں۔ صوفیہ تسنیم نے حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔ اس دو روزہ کانفرنس میں ملک کی مختلف خواتین تنظیموں کی نمائندوں نے شرکت کی۔ اس کے علاوہ شرکاء میں رکن آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ و معروف وکیل یوسف حاتم مچھالہ، ممبئی، لکھنؤ کے ظفریاب جیلانی ایڈووکیٹ، الفرقان کے ایڈیٹر مولانا خلیل الرحمان سجاد نعمانی اور جماعت اسلامی ہند کے نائب امیر مولانا جلال الدین عمری شامل تھے۔

(راشٹریہ سہارا، دہلی)

علامہ اقبال ادبی مرکز کا اقبال سیمینار

● بھوپال، 6/اپریل: علامہ اقبال ادبی مرکز کے زیر اہتمام منعقدہ ایک سیمینار میں صدارتی تقریر کرتے ہوئے ماہر اقبالیات پروفیسر جگن ناتھ آزاد نے کہا کہ "اقبال ماضی کے شاعر بھی ہیں، حال اور مستقبل کے بھی۔ وہ اس سورج کی طرح ہیں جو اگرچہ مشرق سے طلوع ہوتا ہے مگر اپنی روشنی سے مشرق، مغرب، شمال، جنوب، افلاک، زمین ہر ایک کو منور کرتا ہے۔ اقبال کو صرف کسی ایک فرقے یا دھرم تک محدود کرنا بڑی ادبی بددیانتی ہے۔ وہ ہندستان کی بیداری کے شاعر ہیں اور اسی کے ساتھ پورے عالم انسانیت کے شاعر بھی ہیں۔"

اس سیمینار میں پروفیسر نثار احمد فاروقی (دلی یونیورسٹی) ڈاکٹر صغری مہدی (جامعہ ملیہ اسلامیہ) ڈاکٹر شفیق اشرفی (آگرہ یونیورسٹی) اور ڈاکٹر توقیر احمد (دلی یونیورسٹی) نے بھی اپنے مقالات پڑھے۔

پروفیسر نثار احمد فاروقی نے "علامہ اقبال اور عالمی ادب" کے عنوان سے اپنا پرچہ پڑھتے ہوئے گوئٹے، برگساں، شوپن ہار، نطشے اور ایمرسن کا بھی ذکر کیا اور کہا کہ یہ غلط ہے کہ اقبال اپنی فکر اور شاعری میں ان سے متاثر تھے۔ انھوں نے ان لوگوں اور دوسرے مفکرین کا

مطالعہ ضرور کیا تھا لیکن اقبال کی فکر اور شاعری کا اپنا ڈکشن تھا۔ اس موقعے پر ڈاکٹر صغریٰ مہدی نے اقبال کے دو معاصروں خواجہ حسن نظامی اور اکبر الٰہ آبادی پر اپنا مقالہ پڑھا۔

ملار موزی سنسکرتی بھون میں منعقدہ اس سمینار میں برطانیہ سے آئے ہوئے پنجابی اور اردو کے شاعر مشتاق سنگھ مشتاق نے بھی شرکت کی۔

ابتدا میں مرکز کے سکریٹری پروفیسر آفاق احمد نے مہمانوں کو خوش آمدید کہا اور ان کا تعارف کرایا نیز مرکز کی سرگرمیوں پر مختصر طور پر روشنی ڈالی۔

مرکز اور اہلِ بھوپال کی طرف سے شکریے کی رسم اقبال اعزاز سے سرفراز اور ممتاز بزرگ شاعر اختر سعید خاں نے ادا کی اور کہا کہ اس سمینار سے اقبالیات کے بہت سے گوشے منور ہوئے ہیں۔ آپ نے اس موقعے پر اپنے عالمانہ خیالات کا بھی اظہار کیا۔

(قومی آواز، نئی دہلی)

جودھپور میں اردو تنقید کی موجودہ صورت حال پر کل ہند سمینار

● راجستھان اردو اکادمی کی جانب سے "اردو تنقید کی موجودہ صورتِ حال پر" دو روزہ کل ہند سمینار کا انعقاد جودھپور میں ہوٹل کوالٹی ان میں کیا گیا۔ سمینار کا افتتاح پروفیسر گوپی چند نارنگ نے کیا۔ سمینار کی ابتدا اکادمی کے چیئر مین ڈاکٹر سید مدبر علی زیدی اور اکادمی کے سکریٹری جناب معظم علی کے استقبالیہ کلمات سے ہوئی۔ ممتاز شاعر اور ادیب ش۔ ک نظام نے بھی جودھپور کے تہذیبی اور ثقافتی پس منظر کا ذکر کیا۔ ڈاکٹر شمیم رضوی نے اردو زبان کی ترقی، اردو کمپیوٹر کی برق رفتاری اور حکومت کی طرف سے اردو کی سرپرستی کے بارے میں اظہار خیال کیا۔

سمینار کے پہلے اجلاس کی صدارت پروفیسر نند کشور اچاریہ نے کی۔ نظامت کے فرائض فاروق انجینئر نے ادا کیے۔ ش۔ ک نظام نے اپنا مقالہ بعنوان "مقدمہ اردو تنقید کی علمیات کا" ڈاکٹر شمیم رضوی نے "اردو تنقید کا ارتقا" اور بلراج کومل نے "نظم کی تنقید، موجودہ صورت حال" پر اپنے مقالے پیش کیے۔ شعبے کی سہ پہر کو سمینار کے دوسرے اجلاس کی صدارت پروفیسر وارث علوی نے اور نظامت پروفیسر صادق نے کی۔ اس کے بعد ڈاکٹر علی احمد فاطمی نے "معاصر تنقید کدھر" اور پروفیسر سیدہ جعفر نے "اسلوبیاتی تنقید" پر مقالے پڑھے۔

سمینار کے دوسرے دن اتوار کو پہلا اجلاس پروفیسر گوپی چند نارنگ کی صدارت میں شروع ہوا۔ مقالہ نگاروں میں سب سے پہلے پروفیسر صادق نے "اردو تنقید کی صورت حال" پروفیسر ابوالکلام قاسمی نے "معاصر تنقید کی نارسائیاں" اور پروفیسر وہاب اشرفی نے مقالات پیش کیے۔ ممتاز نقاد پروفیسر وارث علوی نے "تفحیک و تنقید" پر اپنا اچھوتا مقالہ پیش کیا۔ دوپہر کو سمینار کے چوتھے اجلاس کی صدارت پروفیسر وہاب اشرفی نے کی اور نظامت کے فرائض بلراج کومل نے انجام دیے۔ پہلا مقالہ پروفیسر شافع قدوائی نے میراجی کی تنقید کے حوالے سے پیش کیا۔ دوسرا مقالہ پروفیسر عتیق اللہ نے "حامدی کاشمیری کی تنقیدی تھیوری" کے موضوع پر پیش کیا۔ تیسرا مقالہ پروفیسر سید محمد عقیل رضوی نے "اردو تنقید میں مغربی ہوائیں" اور چوتھا مقالہ پروفیسر مغنی تبسم نے "اردو تنقید کی موجودہ صورت حال" پر پیش کیا۔ اس تنقیدی سمینار میں پروفیسر شافع قدوائی، پروفیسر عتیق اللہ، ڈاکٹر نگینہ جبیں نے بھی اظہار خیال کیا۔

(راشٹریہ سہارا، نئی دہلی)

حیدر آباد میں اردو صحافت پر سمینار

● حیدر آباد، 12 مارچ: ڈاکٹر امبیڈکر اوپن یونیورسٹی کے شیخ الجامعہ پروفیسر افضل محمد نے کہا کہ اکیسویں صدی میں اردو اخبارات کو ذمے دار صحافت کا رول ادا کرتے ہوئے باخبر سماج کی تشکیل میں حصہ لینا ہوگا۔ پروفیسر افضل محمد کل یہاں اردو رائٹرس و جرنلسٹس فورم کے زیر اہتمام دار الامن میں اکیسویں صدی میں اردو صحافت کے موضوع پر منعقدہ ایک سمینار کو مخاطب کر رہے تھے جو ممتاز صحافی جناب محبوب حسین جگر کو خراج عقیدت پیش کرنے کے سلسلے میں منعقد کیا گیا تھا۔ بزرگ کانگریسی قائد جناب سید رحمت علی سابق رکن پارلیمنٹ نے اس سمینار کی صدارت کی۔ پروفیسر افضل محمد نے کہا کہ الکٹرانک میڈیا اور انٹرنیٹ اپنی مقبولیت کے باوجود اخبارات کا نعم البدل نہیں بن سکتے کیونکہ الکٹرانک ذرائع ترسیل مقررہ وقت اور مخصوص شرائط کے تابع ہیں۔ صحافیوں کو چاہیے کہ وہ صحافت کو تمام بدعنوانیوں سے بچائے رکھیں۔ انھوں نے اردو اخبارات کو ظاہری اور معنوی اعتبار سے زیادہ دلچسپ، معلوماتی بے لاگ اور غیر جانبدار بنانے پر زور دیا۔ ابتدا میں صدر فورم مسٹر عابد صدیقی نے جناب محبوب

حسین جگر کو خراج عقیدت پیش کیا۔ جناب سید رحمت علی نے کہا کہ اردو اخبارات نے آزادی سے قبل قومی قیادت کی اہم ذمے داریوں کو پورا کیا تھا۔ کئی اردو صحافیوں کو جیل کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑی تھیں اور بعض تو جامِ شہادت نوش کر گئے۔ آزادی کے بعد اقلیتوں کے مسائل کی ترجمانی کا حق صرف اردو اخبارات نے ہی ادا کیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ اردو صحافت کو وقت کے تقاضوں کو محسوس کرتے ہوئے نمایاں تبدیلیوں کو اختیار کرنا ہوگا۔ صدر نشیں اردو اکادمی جناب نورالحق قادری نے کہا کہ اکیسویں صدی اردو صحافت کے لیے ایک زرین عہد ہوگا۔ انھوں نے کہا کہ حیدر آباد کے اردو اخبارات کی برصغیر میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ انھوں نے امید ظاہر کی کہ اخبارات تحفظِ ذہنی، شخصی اختلافات، نظریاتی امتیازات سے بالاتر ہو کر دیانت دارانہ رویہ اختیار کریں گے تاکہ سماج کے سب ہی طبقات کے ساتھ انصاف ہو سکے۔ انھوں نے کہا کہ اردو اکادمی جناب عابد علی خاں، محبوب حسین جگر، جناب لطیف الدین قادری، جناب محمود انصاری اور جناب یدھ ویر جی جیسے ممتاز صحافیوں کے نام پر ہر سال اردو صحافیوں کو ایوارڈز پیش کرنے پر غور کرے گی۔ قبل ازیں جناب سید احمد محی الدین افسر نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ اکادمی کی جانب سے امتیازی خدمات انجام دینے والے صحافیوں کو بھی ایوارڈ دیے جانے چاہئیں۔ جناب محمد جلیل پاشا صدر نشیں اردو تعلیمی کمیٹی نے کہا کہ اردو تنظیموں کا ایک وفاق تشکیل دیا جانا چاہیے تاکہ اردو کے مسائل کی یکسوئی کے لیے متحدہ جدوجہد کی جا سکے۔ ڈاکٹر سید دستگیر پاشا قادری، اسمٰعیل عبدالرب انصاری، حسن الدین، محمد نذیر خاں نے بھی جلسے کو مخاطب کیا۔ (منصف، حیدر آباد)

جلگاؤں میں حضرت امیر خسرو اور قومی یک جہتی پر سیمینار

● مولانا ابوالکلام آزاد پبلک لائبریری کے زیرِ اہتمام اور قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان دہلی کے مالی تعاون سے لائبریری ہال میں حضرت امیر خسرو اور قومی یک جہتی پر دو روزہ سیمینار منعقد ہوا۔ 24/مارچ 2001 کو سیمینار کے پہلے اجلاس میں معین الدین عثمانی (جلگاؤں)، ایم آئی ساجد (کھام گاؤں) اور ایم رفیق (یاول) نے اپنے مقالات پڑھے۔ دوسرے سیشن میں جناب عتیق احمد عتیق (مدیر توازن مالیگاؤں) جناب بشر نواز (اورنگ آباد) اور جناب اثر صدیقی (مالیگاؤں) نے اپنے مقالات پیش کیے۔ دوسرے دن کے اجلاس میں 25/مارچ 2001 کو جناب رئیس فیضپوری نے حضرت امیر خسرو کا منتخب کلام ترنم سے پیش کیا۔ دوپہر میں کتابوں اور حضرت امیر خسرو کی تصاویر کی نمائش رکھی گئی تھی۔ 25/مارچ کی شب میں 9 بجے جناب انیس چشتی نے حضرت امیر خسرو اور قومی یک جہتی پر سیر حاصل گفتگو کی دونوں اجلاس کی نظامت کے فرائض جناب رحیم رضا نے نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیے۔ شرکا و سامعین کا شکریہ جناب ایم رفیق (صدر مولانا آزاد لائبریری یاول) نے ادا کیا۔ (ڈاک سے)

یوپی رابطہ کمیٹی کی [illegible] کمپیوٹر [illegible] میں [illegible] اسناد کا جلسہ

● کمپیوٹرائزڈ کیلی گرافی ٹریننگ سینٹر، علی گڑھ کی جانب سے 12/مارچ 2001 کو سینٹر کے کیمپس میں ایک تقریبِ تقسیمِ اسناد کے سلسلے میں منعقد کی گئی جس کی صدارت پروفیسر فرید غنی (پرنسپل، ڈاکٹر ذاکر حسین انجینئرنگ کالج، اے ایم یو علی گڑھ) نے کی اور ڈاکٹر محمد جہانگیر وارثی نمائندہ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی اس تقریب کے مہمانِ خصوصی تھے۔ یوپی رابطہ کمیٹی کے جنرل سکریٹری جناب امان اللہ خاں صاحب نے خطبۂ استقبالیہ پیش کیا۔ انھوں نے کہا کہ موجودہ دور میں جدید ٹکنالوجی حاصل کیے بغیر آگے بڑھنا مشکل ہے۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نے اس سلسلے میں قابلِ ستائش اقدام کیے ہیں اور کمپیوٹر کی تعلیم کا جال پورے ملک میں پھیلا دیا ہے۔ علی گڑھ میں یوپی رابطہ کمیٹی نے اس پروگرام میں حصہ لیا ہے اور اب تک طلبہ کا ایک Batch فارغ ہو چکا ہے۔ یوپی رابطہ کمیٹی کے تعلیمی امور کے سکریٹری پروفیسر عتیق احمد صدیقی نے یوپی رابطہ کمیٹی اور کمپیوٹرائزڈ کیلی گرافی ٹریننگ سینٹر، علی گڑھ کی سرگرمیوں کی مختصر رپورٹ پیش کی۔ اس تقریب سے یوپی رابطہ کمیٹی کے نائب صدر پروفیسر محمد شریف خاں نے بھی خطاب کیا۔ انھوں نے طلبہ کو لگن کے ساتھ آگے بڑھتے رہنے کی تلقین کی۔

سعودی عرب کی کنگ سعود یونی ورسٹی کے سسٹم انالسٹ جناب اختر حسین صدیقی نے Impact of Information Technology on Human Life کے موضوع جامع تقریر کرتے ہوئے قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے اس پروگرام کو تحسینی کلمات سے نوازا۔

جلسے کے مہمانِ خصوصی ڈاکٹر محمد جہانگیر وارثی نے اپنی تقریر میں قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی ترقیاتی سرگرمیوں پر روشنی ڈالی۔ انھوں نے رابطہ کمیٹی کے منتظمین اور سینٹر کے اساتذہ و طلبہ کو مبارک باد پیش کرتے ہوئے ان کے لیے اپنی نیک خواہشات کا اظہار کیا۔

پروفیسر فرید غنی نے خطبہ صدارت پیش کرتے ہوئے کہا کہ آج کا دور کمپیوٹر کا دور ہے اور ہمیں اسی لحاظ سے اپنی نسلوں کو تیار کرنا ہے۔ خطبۂ صدارت کے بعد صدرِ جلسہ اور مہمانِ خصوصی نے طلبہ و طالبات کو اسناد پیش کیں۔ (ڈاک سے)

ساڑھے تین ہزار اردو اساتذہ کا تقرر

● بھوپال، 8/اپریل: مدھیہ پردیش کے وزیرِ اعلا دگ وجے سنگھ کے ذریعے اردو کی سرپرستی فروغ اور تحفظ کے لیے کیے گئے کاموں کا اعتراف کرنے کے لیے مدھیہ پردیش اردو اکادمی نے ان کے اعزاز میں ایک شاندار عوامی استقبالیہ کا انعقاد کیا۔ اس موقع پر وزیرِ اعلا نے اعزازی جلسے کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ مدھیہ پردیش میں اردو زبان کی ترقی کے لیے سرکار ہر ممکن کوشش کر رہی ہے۔ وزیرِ اعلا نے کہا کہ سرکار نے فیصلہ کیا ہے کہ جہاں بھی 25 فی صد کی آبادی اردو بولنے والوں کی ہوگی اس علاقے کے اسکول میں ایک اردو ٹیچر مقرر کیا جائے گا۔ اس فیصلے کے نتیجے میں آج تک پوری ریاست میں ساڑھے تین ہزار اردو ٹیچر مقرر کیے گئے ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ اس طرح جہاں بھی پچیس فی صد سے زائد اردو آبادی ہے وہاں سرکاری بورڈ اردو میں اور پرچوں کے جواب اردو میں لکھنے کی ہدایت ہے۔ ہم نے مدرسہ بورڈ بھی قائم کیا ہے تاکہ اردو زبان کی ابتدا سے ہی ترقی ہو سکے۔ اردو کی ترقی کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس کی تعلیم پرائمری کلاس سے شروع ہو۔ وزیرِ اعلا نے یقین دہانی کرائی کہ سرکار اردو کو دوسری زبان کا درجہ دینے پر غور کرے گی۔

مدھیہ پردیش اردو اکادمی کے چیئرمین عزیز قریشی نے اپنے استقبالیہ خطاب میں کہا کہ وزیرِ اعلا دگ وجے سنگھ نے گذشتہ برسوں میں سماج کے کمزور طبقوں اقلیتوں، دلت اور پسماندہ طبقوں کے اقتصادی، تعلیمی، سماجی اور سیاسی مفادات کو تحفظ دیتے ہوئے جس حوصلے سے کام کیا ہے وہ اس ریاست کی تاریخ کا زریں باب ہے۔

(ڈاک سے)

اردو اساتذہ کے لیے تربیتی کورس

● مغربی بنگال کے وزیر برائے فلاح و ترقیات اقلیات جناب محمد امین نے مغربی بنگال کے اسکولوں کے اردو اساتذہ کو مشورہ دیا ہے کہ وہ اپنی صلاحیت اور لیاقت میں اضافہ کریں تاکہ طلبہ و طالبات فیض یاب ہو سکیں۔ انھوں نے اظہارِ اطمینان کیا کہ اکادمی کی اسکیموں سے اردو داں طبقے کو فیض پہنچ رہا ہے۔ انھوں نے خوشی ظاہر کی کہ حکومتِ ہند کے تعاون سے اکادمی میں کئی اسکیموں پر عمل در آمد ہو رہا ہے اور یہ دس روزہ ٹیچر ٹریننگ کورس اس سلسلے کی کڑی ہے۔

مرکزی حکومت کے ماتحت ادارہ اردو ٹیچنگ اینڈ ریسرچ سینٹر، سولن ہماچل پردیش کے اشتراک سے مغربی بنگال اردو اکادمی کے زیرِ اہتمام 14/مارچ کو افتتاحی تقریب سے مہمان خصوصی کی حیثیت سے خطاب کرتے ہوئے جناب محمد امین نے مذکورہ مفید مشوروں سے نوازا۔ سینٹر کے کوارڈی نیٹر ڈاکٹر ضیاء الرحمان صدیقی نے اس تربیتی کورس کے اغراض و مقاصد پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ انھوں نے وضاحت کی کہ 13 زبانوں پر مشتمل اس پروگرام کی ہندستان کے مختلف شہروں میں سات فیکلٹیز ہیں جہاں اساتذہ کو ایک سال کی تربیت دی جاتی ہے۔

اکادمی کے چیئرمین جناب سالک لکھنوی نے اپنے صدارتی خطبے میں بتایا کہ محمد جان ہائر سیکنڈری اسکول میں اردو اساتذہ کا تربیتی کورس شروع ہو رہا ہے۔ جس سے اساتذہ فیضیاب ہوں گے۔ طلبہ اور طالبات کے بہتر مستقبل میں اساتذہ کا بڑا ہاتھ ہوتا ہے۔

دس روزہ تربیتی کورس برائے اردو اساتذہ کی اختتامی تقریب 23/مارچ کو اکادمی کے ہال میں اکادمی کے چیئرمین جناب سالک لکھنوی کی صدارت میں منعقد ہوئی جس میں اردو کے ممتاز محقق، دانشور اور ماہر غالبیات جناب کالی داس گپتا رضا کے انتقال پر دو منٹ کی خاموشی اختیار کی گئی اور مرحوم کو خراج عقیدت پیش کیا گیا۔ اردو ٹیچنگ اینڈ ریسرچ سینٹر، ہماچل پردیش کے پروگرام کوارڈی نیٹر ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن صدیقی، اکادمی کے چیئرمین جناب سالک لکھنوی نائب چیئرمین جناب علقمہ شبلی، سکریٹری جناب شائق احمد، ڈپٹی سکریٹری جناب نشاط عالم، گورننگ باڈی کے رکن پروفیسر قیصر شمیم، پریسڈنسی مسلم ہائر سیکنڈری اسکول کے ہیڈ ماسٹر جناب ظہیر انور، کلکتہ گرلس کالج کے لیکچرار جناب نعیم انیس اور محمد جان ہائر سیکنڈری اسکول

کے ہیڈ ماسٹر جناب شیخ واحد علی نے اپنے تاثرات کا اظہار کیا۔ تربیتی کورس میں شامل رضیہ خاتون، عذرا مناظ اور محمد نصراللہ نے تربیتی کورس کی افادیت پر اپنے خیالات ظاہر کیے۔ تقریب کے آخر میں 521 اسکولوں کے 39 اساتذہ کو اکادمی کے چیئرمین جناب سالک لکھنوی نے اسناد تقسیم کیں۔ (ڈاک سے)

اردو مترجمین کی نوکریاں مستقل کی جائیں

● میراں پور، 7/اپریل: اترپردیش اردو مترجمین ایسوسی ایشن کی ایک اہم میٹنگ ادیب ماتھیری اسکول میراں پور میں منعقد کی گئی جس میں شرکا نے مطالبہ کیا ہے کہ اردو مترجمین کو ان کا جائز حق عطا کیا جائے۔ صدارت میرٹھ سے تشریف لائے تنویر احمد نے کی اور نظامت کے فرائض اوصاف انصاری نے انجام دیے۔ اس میٹنگ میں میرٹھ، باغپت، مظفر نگر، بجنور، امروہہ، دہرادون وغیرہ کے اردو مترجمین نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔

شرکا نے بتایا کہ دیگر ڈپارٹمنٹ میں چھے سال گزرنے سے قبل ہی پرمانٹ کیا جاچکا ہے پھر ہمارے ساتھ سوتیلا رویہ کیوں اختیار کیا جارہا ہے۔ انھوں نے بتایا کہ اب ایسوسی ایشن نے مجبور ہو کر اپنا جائز حق حاصل کرنے کی غرض سے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانے کا فیصلہ کیا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ انھوں نے حکومتِ اترپردیش سے مطالبہ کیا ہے کہ اسٹیٹ میں جن مقامات پر اردو مترجمین کا تقرر نہیں ہو سکا ہے اس کو بلا تاخیر پورا کیا جائے۔ (راشٹریہ سہارا، نئی دہلی)

ایس سی آر ٹی کیرالا میں اردو ریسرچ آفیسر کا تقرر

● انجمنِ اساتذہ اردو کیرالا کے پرزور مطالبے کے نتیجے میں S.C.ERT میں جناب این محی الدین کٹی صاحب کو ریسرچ افسر اردو کی حیثیت سے مقرر کیا گیا ہے۔ جناب محی الدین کٹی صاحب پچھلے سات آٹھ برس سے ضلع ملاپورم کے لینگویج ٹیچنگ ٹریننگ سینٹر میں ٹیچر ایجوکیٹر کی حیثیت سے کام کر رہے تھے۔ اسکول کی تعلیمی سطح پر پوری ریاست میں اردو کے لیے یہ واحد اسامی ہے۔ (ڈاک سے)

اردو میں بورڈ لگانے کا حکم

● پٹنہ، بہار اقلیتی مالیاتی کارپوریشن کے دفتر میں اردو کے بورڈ آویزاں نہ کیے جانے پر وزیرِ اقلیتی فلاح جناب شکیل احمد خاں نے نوٹس لیتے ہوئے فوری طور پر اس کے منیجنگ ڈائرکٹر کو تمام بورڈ اردو میں بھی آویزاں کرنے کا حکم صادر کر دیا ہے۔ اس امر کی اطلاع اردو کونسل کے نائب کنوینر جناب انوار الھدیٰ نے اپنے اخباری بیان کے ذریعے دی۔

واضح رہے کہ گذشتہ دنوں انوارالہدیٰ اور جناب رکن الدین احمد نے جناب شکیل احمد خاں وزیرِ اقلیتی فلاح سے ملاقات کرکے بہار اقلیتی مالیاتی کارپوریشن میں اردو کے ساتھ بے اعتنائی برتنے کے سلسلے میں شکایت کی تھی اور انھیں مطلع کیا تھا کہ اقلیتی مالیاتی کارپوریشن میں بہار کی دوسری سرکاری زبان اردو کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا ہے جو کہ سرکار کے اردو قانون کی خلاف ورزی کے ساتھ اردو آبادی کے حق کی پامالی بھی ہے۔ وزیر موصوف نے اردو کونسل کی تحریری شکایت پر فوراً توجہ دی اور اس مطالبے کو پورا کرنے کے لیے واضح حکم جاری کر دیا۔

بعد ازاں کارپوریشن کے منیجنگ ڈائرکٹر جناب ہمایوں اختر راہی نے جناب انوار الہدیٰ کو بتایا کہ انھوں نے تمام سائن بورڈ، ناموں کی تختیاں، اشارتی تختیاں اردو میں لکھوانے کے لیے حکم جاری کر دیا ہے نیز کارپوریشن کے لیٹر پیڈ اور فارم وغیرہ بھی اردو میں چھپوانے کی اطلاع دی ہے۔ (قومی تنظیم، پٹنہ)

اردو اکادمی دہلی کے زیر اہتمام جلسہ تقسیم ایوارڈ

● نئی دہلی، 29/مارچ: آج یہاں راجندر بھون نزد اردو گھر، آئی ٹی او میں اردو اکادمی دہلی کی جانب سے تقسیم ایوارڈ 2000 کا جلسہ منعقد کیا گیا جس میں ڈاکٹر نریندر ناتھ وزیرِ تعلیم دہلی نے بحیثیت صدر شرکت کی۔ مہمانِ خصوصی جناب اے ایم خسرو تھے۔ پروگرام کے آغاز میں منصور احمد عثمانی سکریٹری اردو اکادمی نے اکادمی اور ایوارڈ یافتگان کا تعارف پیش کیا۔ سب سے پہلے انعام کل ہند بہادر شاہ ظفر ایوارڈ کے تحت محترمہ قرۃالعین حیدر کو ایک لاکھ 11 ہزار 111 روپے پیش کیے گئے اور تنقید و تحقیق کے لیے پروفیسر شریف حسین قاسمی، شاعری کے لیے مظہر امام (علالت کے سبب ان کی اہلیہ نے قبول کیا)، تخلیقی نثر کے لیے اقبال انصاری، صحافت کے لیے بہار برنی، بہترین استاد کے لیے مشرف علی، سائنسی ادب کے لیے ایم اے قریشی، الیکٹرانک میڈیا کے لیے ریوتی سرن شرما، خطاطی کے لیے تحسین حسین، بچوں کا ادب کے لیے سردار ہربھجن سنگھ کو ایوارڈ پیش کیے گئے۔ آخر میں جناب ایم اے خسرو اور ڈاکٹر نریندر ناتھ نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ تمام ایوارڈ وزیرِ تعلیم ڈاکٹر نریندر ناتھ کے ہاتھوں تقسیم کیے گئے۔ (راشٹریہ سہارا، نئی دہلی)

اتر پردیش اردو اکادمی کے سالانہ انعامات کا اعلان

● لکھنؤ، 9/اپریل: اتر پردیش اردو اکادمی کی مجلس انتظامیہ نے اپنی میٹنگ میں 2000 میں مندرجہ ذیل انعامات دینے کا فیصلہ کیا:

مولانا ابوالکلام آزاد انعام ایک لاکھ گیارہ ہزار روپے مشہور عالم، پریسیڈنٹ ایوارڈ یافتہ عربی اسکالر و مدرسہ عالیہ رامپور کے سابق پرنسپل، مولوی محمد عبد السلام خاں، رامپور کو پیش کیا گیا۔

اس کے علاوہ مجموعی خدمات کے اکیاون اکیاون ہزار روپے کے دو انعامات عمیر الصدیق ندوی، اعظم گڑھ (مولانا امتیاز علی عرشی انعام)، رباب رشیدی لکھنؤ (رگھوپتی سہائے فراق انعام) کو دیے گئے۔ صحافت کا عبد الوحید صدیقی انعام نیا دور کے ایڈیٹر شاہنواز قریشی کو دیا گیا۔

پچھلے دنوں اردو اکادمی جس مالی بحران سے دوچار تھی اس کے باعث پچھلے سال کے انعام یافتگان کو اور اسکالر شپ پانے والے طلبہ کو چیک ارسال نہیں کیے جا سکے تھے۔ وہ اب بھیجے جا رہے ہیں۔

(قومی آواز، نئی دہلی)

گجرات اردو ساہتیہ اکادمی کے انعامات

● 2001 سے دوبارہ فعال ہونے کے بعد گجرات اردو ساہتیہ اکادمی نے گذشتہ دنوں اپنے ایوارڈ "گورو پرسکار" (गौरव पुरस्कार) اور کتابوں پر دیے جانے والے انعامات تقسیم کیے۔ ایوارڈ برائے 1999 بڑودہ کے معروف شاعر و صحافی جناب عزیز قادری کو دیا گیا جب کہ 2000 کا ایوارڈ احمد آباد کے کہنہ مشق اور استاد شاعر جناب جمال قریشی کو دیا گیا۔ یہ ایوارڈ "گورو پرسکار" فی ایوارڈ -/25000 (پچیس ہزار) روپے نقد (چیک) ایک مومیٹو اور شال پر مشتمل تھے۔ بہترین کتابوں پر بھی انعامات دیے گئے۔ یہ انعامات 1999-1998 اور 2000 کے لیے تھے۔ اوّل انعام -/5000 روپے، دوم -/3000 روپے اور سوم -/2000 روپے پر مشتمل تھے۔

جتنی کتابوں پر انعامات دیے گئے وہ سب کی سب شعری مجموعوں پر مشتمل تھیں جس پر خود اکادمی کے چیئرمین اور مشہور نقاد جناب وارث علوی نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ گجرات میں نثری ادب ناپید ہوتا جا رہا ہے۔ (ڈاک سے)

مغربی بنگال اردو اکادمی کے انعامات کا اعلان

● 1999 کی مطبوعہ اردو کتابوں پر مغربی بنگال اردو اکادمی نے مندرجہ ذیل انعامات کا اعلان کیا ہے۔

(الف) مبلغ پانچ ہزار روپے کے انعامات والی آسی (موم) اور ابرار رحمانی کی "کلیم الدین احمد کی تنقید کا تنقیدی جائزہ"، مبلغ تین ہزار روپے کے انعامات زبیر رضوی "انگلیاں نگار اپنی" اور ڈاکٹر شہپر رسول "اردو غزل میں پیکر تراشی آزادی کے بعد"، فیروز مظفر "مظفر حنفی ایک مطالعہ"، مبلغ دو ہزار روپے کے انعامات: رفعت سروش، ڈاکٹر شیخ عبدالرحمان انصاری عزم، ڈاکٹر فاروق انصاری اور عادل اسیر دہلوی کو دینے کا اعلان کیا گیا۔

مغربی بنگال کی سطح پر 1999 کی مطبوعہ کتابوں پر مبلغ پانچ ہزار روپے کا انعام سالک لکھنوی (کلام) کو، مبلغ تین ہزار روپے کے انعامات جی ایس فرید اور ڈاکٹر عذرا رعنا عثمانی کو اور مبلغ دو ہزار روپے کے انعامات جاوید دانش، ظہیر انور، ڈاکٹر مظفر حنفی اور کمال جعفری کو دینے کا اعلان کیا گیا۔ اس کے علاوہ 22 دیگر اردو کتابوں کو ایک ایک ہزار روپے کے انعام کا مستحق قرار دیا گیا۔ (ڈاک سے)

مہاراشٹر اسٹیٹ اردو ساہتیہ اکادمی کے ایوارڈز کا اعلان

● ممبئی، 23/مارچ (یو این آئی) مہاراشٹر اسٹیٹ اردو ساہتیہ اکادمی کی جانب سے سال 1998 اور 1999 اور 2000-0001 کے سنت گیانیشور قومی ایوارڈ، ولی دکنی قومی ایوارڈ، سراج اورنگ آبادی ریاستی ایوارڈ، سنتو مادھو پگری ایوارڈ صحافت اور تعلیمی خدمات کے ایوارڈ یافتگان کے ناموں کا اعلان آج یہاں وزیر تہذیب و ثقافتی امور رام کرشن مورے نے کیا۔

مہاراشٹر ودھان بھون میں منعقدہ ایک پریس کانفرنس میں وزیر موصوف نے بتایا کہ سنت گیانیشور قومی ایوارڈ برائے سال 1999-1998 کے لیے حبیب تنویر (بھوپال) سال 2000-1999 کے لیے باقر مہدی (ممبئی) اور سال 2001-2000 کے لیے قاضی عبدالستار (علی گڑھ) کو دیا گیا ہے۔ ایوارڈ اکیاون ہزار روپے پر مشتمل ہے۔ اسی طرح ولی دکنی قومی ایوارڈ قاضی سلیم (اورنگ آباد) ندا فاضلی (ممبئی) اور عصمت جاوید (اورنگ آباد) کو دیا گیا ہے۔ اس ایوارڈ کی رقم تیس ہزار روپے ہے۔

سراج اورنگ آبادی ریاستی ایوارڈ رفیعہ شبنم عابدی (ممبئی)

انور خاں (ممبئی) اور عارف سیمابی (رتناگیری) کو دیا گیا ہے۔ اس ایوارڈ کی رقم پچیس ہزار روپے پر مشتمل ہے۔ اسی طرح پندرہ ہزار روپے کے ادبی خدمات کے ایوارڈ شری بھاؤ جوشی (پونے) مسز سجاد موسوی (اورنگ آباد) اور رنجے گوڈبولے (پونے) کو دینے کا اعلان کیا گیا۔ ساحر لدھیانوی نئی ادبی صلاحیتوں کے دس ہزار روپے کا ایوارڈ مرحوم انور ظہیر خاں (ممبئی) سلیم محی الدین (بیڑ) اور رفیق وستا (رتناگیری) کو دینے کا اعلان کیا گیا۔

اسی طرح مرحوم ہارون رشید صحافتی ایوارڈ حنیف اعجاز اردو ٹائمز (ممبئی)، عبدالستار عاف (روزنامہ نقوش ناندیڑ) عبدالمجید سرور (سول ٹائمز مالیگاؤں) وسیم نوید (کھام گاؤں)، نثار احمد خاں (اورنگ آباد ٹائمز) وسیم انصاری (انقلاب)، جلیل انصاری (ہفتہ روزہ صبح و شام) کو دینے کا اعلان کیا گیا ہے۔ یہ ایوارڈ چار ہزار روپے پر مشتمل ہے۔ (ڈاک سے)

ہریانہ اردو اکادمی کے انعامات

● پنچ کولہ۔ ہریانہ اردو اکادمی کے مقاصد میں ہریانہ کے اردو قلمکاروں کو ان کی شائع شدہ کتابوں پر انعامات اور مسودات کی اشاعت کے لیے مالی امداد دینا شامل ہے۔ اکادمی کی اس اسکیم کے تحت 1999-2000 میں جن قلمکاروں کے مسودات پر مالی امداد منظور کی گئی ہے ان میں مہندر پرتاپ چاند کے مسودے "خوشبو" اور امرجیت سنگھ امر انبالوی کے مسودے "جرس گل" کی اشاعت کے بعد پانچ پانچ ہزار روپے کی مالی امداد دی جائے گی۔

شائع شدہ کتابوں پر مقررہ برس کے دوران جن ہریانوی اردو ادیبوں کو انعامات دیے جانے منظور کیے گئے ہیں ان میں جناب آر پی شوخ کی کتاب "منقش، کھنڈر جبیں" اور جناب بشیر مالیر کوٹلوی کی کتاب "سلگتے لمحے" شامل ہیں۔ انھیں اکادمی کی جانب سے بالترتیب چار چار ہزار روپے کے انعامات دیے جائیں گے۔ (ڈاک سے)

بہار اردو اکادمی کا جلسہ

● پٹنہ، 26/ فروری: "پروفیسر مہدی علی کی شاعری میں کلاسیکی شعرا کی بازگشت سنائی دیتی ہے اور حقیقی معنوں میں وہ دبستان عظیم آباد کے نمائندہ شاعر ہیں" ان خیالات کا اظہار بہار اردو اکادمی کے زیر اہتمام منعقدہ "مہدی کے ساتھ ایک شام" کے موقعے پر بحیثیت مہمان خصوصی تقریر کرتے ہوئے نامور نقاد پروفیسر وہاب اشرفی نے کیا۔ انھوں نے کہا کہ آج اس حقیقت کو تسلیم کیا جا رہا ہے کہ بہار بھی اردو شاعری کا ایک دبستان رہا ہے۔ پروفیسر وہاب اشرفی نے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا کہ ہم نے خود اپنے باکمالوں کو نظر انداز کیا ہے جس کے سبب ان کی خدمات کا اعتراف بروقت نہیں ہو سکا۔

جناب شفیع مشہدی نے اپنی صدارتی تقریر میں کہا کہ ان کے مہدی علی صاحب سے چار دہائیوں کے تعلقات ہیں۔ مونگیر میں جو شعری نشستیں ہوتی تھیں تیس برسوں سے زائد تک مہدی علی صاحب ان کے روح رواں رہے۔ وہ انگریزی کے استاد تھے اور بلاشبہ بے حد مقبول استاد تھے، مگر اردو شاعری سے ان کا لگاؤ جذباتی و روحانی ہے۔

جناب نقی نقوی صاحب نے کہا کہ مہدی علی کے یہاں جو شعری رچاؤ ہے وہ ان کی شاعری کو ممیز و ممتاز کرتا ہے وہ کافی زود گو شاعر ہیں اور سنجیدہ شاعری کے علاوہ طنزیہ و مزاحیہ شاعری بھی کرتے ہیں۔

بہار اردو اکادمی کے سکریٹری جناب رضوان احمد نے کہا کہ دو سال قبل اکادمی کی مجلس عاملہ نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ وہ سر برآوردہ شعرا و ادبا کے ساتھ شامیں منائے گی، یہ اس سلسلے کی کڑی ہے کیوں کہ اس میں مہدی علی صاحب کا نام نامی بھی شامل تھا لیکن دشواری یہ ہو رہی تھی کہ وہ اپنی معذوری کے سبب باہر نہیں نکل سکتے تھے اس لیے اس شام کا اہتمام ان کی جائے قیام پر ہی کرنا پڑا۔ میں بے حد ممنون ہوں کہ انھوں نے ہمیں اس کی اجازت مرحمت فرمائی اور یہ جلسہ منعقد کرنے کا موقع فراہم کیا۔ اس موقعے پر بہار اردو اکادمی کی جانب سے پروفیسر وہاب اشرفی نے شال اور کتابوں کا تحفہ جناب مہدی علی کی خدمت میں پیش کیا۔ ادبی ادارہ "ہمنوا" کی جانب سے جناب حسن نواب نے سپاسنامہ اور تحفہ پیش کیا۔

بعد ازاں شعری نشست کا انعقاد ہوا جس میں محمد علی عزم شیخپوری، ظفر رضوی، سکندر احمد، عالم خورشید، شاکر آروی، قوس صدیقی، حسن نواب، مشتاق احمد نوری، نقی نقوی اور صدر جلسہ جناب شفیع مشہدی نے اپنے کلام سے نوازا۔ اس کے علاوہ جناب مہدی علی نے کئی غزلیں اور پھر مزاحیہ کلام سنایا۔ جلسے کی نظامت جناب فخر الدین عارفی نے کی اور شکریہ رضوان احمد نے ادا کیا۔

(ڈاک سے)

گلبرگہ یونیورسٹی میں جلسہ تقسیم انعام

● گلبرگہ 12/ مارچ: محققین کے لیے ضروری ہے کہ وہ تحقیق کے لیے اچھوتا اور بالکل نیا موضوع منتخب کریں اور تحقیق کا حق ادا کریں۔ آج اردو کو ہر گھر اور فرد تک پہنچانے کی خاص الخاص

ضرورت ہے۔ جس قوم کے افراد اپنی زبان کو زندہ رکھیں گے وہ زبان، سرکاری سرپرستی کے بغیر بھی پروان چڑھ سکتی ہے۔ ان خیالات کا اظہار حضرت محمد محمد الحسینی صاحب قبلہ سجادہ نشین بارگاہ بندہ نواز نے بزم ادب اردو گلبرگہ یونی ورسٹی گلبرگہ کے جلسہ تقسیم انعامات میں بحیثیت مہمان خصوصی کیا۔ حضرت سجادہ نشین قبلہ نے شعبۂ اردو گلبرگہ یونی ورسٹی کی ستائش کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ جامعہ گو کہ ابھی عہد طفلی میں ہے مگر یہ اپنی علمی و ادبی سرگرمیوں میں متحرک اور فعال ہے۔

جلسے کے دوسرے مہمان جناب ایم وی ناڈکرنی وائس چانسلر گلبرگہ یونی ورسٹی نے انگریزی میں اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا کہ زبان پر کسی کی اجارہ داری نہیں ہوتی۔ بھارت ایک کثیر لسانی ملک ہے یہاں مختلف زبانیں بولی جاتی ہیں جن میں اردو کا مقام ممتاز و منفرد نوعیت کا ہے۔ پروفیسر حمید سہروردی صدر شعبہ اردو گلبرگہ یونی ورسٹی نے اپنے صدارتی خطبے میں مہمانان گرامی کے گراں قدر مشوروں پر ممنونیت کا اظہار کیا بعد ازاں حضرت سجادہ نشین قبلہ اور وائس چانسلر جناب ایم وی ناڈکرنی نے انعام یافتہ طلبہ و طالبات میں انعامات تقسیم کیے۔ آنسہ نسیم بانو ایم اے سال آخر نے تحریری مقابلہ میں انعام اوّل نظام الدین رولنگ شیلڈ حاصل کی۔ عبدالحمید افسر ایم اے سال اوّل نے انعام دوم کے مقابلے میں نازنین فردوس احمد جلیس رولنگ شیلڈ کی حقدار ٹھہریں۔ انعام دوم صادقہ بیگم نے حاصل کیا۔ برجستہ تقریری مقابلوں میں عبدالمجید افسر نے انعام اوّل کے بطور سرور مرزائی شیلڈ حاصل کی۔ نسیم بانو نے انعام دوم حاصل کیا۔ بیت بازی میں عظمیٰ بانو نے حضرت علاء الدین انصاری شیلڈ حاصل کی۔ انعام دوم شاہین بیگم نے حاصل کیا۔ ترغیبی انعامات رفعت فاطمہ، شاہین بیگم، تحسین اطہر، محمودہ یاسمین، عظمیٰ بانو نے حاصل کیے۔

(ڈاک سے)

انجمن ترقی اردو گلبرگہ کی مجلس عاملہ کا اجلاس

● انجمن ترقی اردو ہند شاخ گلبرگہ کی نو منتخب مجلس عاملہ کا پہلا اجلاس 11 / مارچ کو انجمن کے حضرت خواجہ بندہ نواز ایوانِ اردو میں جناب محمد عبدالعظیم (صدر انجمن) کے زیر صدارت منعقد ہوا۔ جس میں طے کیا گیا کہ انجمن ترقی اردو کی شاخوں کے قیام کے لیے تعلقہ جات کے ذمہ داروں سے رابطہ قائم کیا جائے اور انجمن کی شاخوں کی تشکیلِ جدید اور احیاء کے عمل کو تیزی سے مکمل کیا جائے۔

انجمن نے امتحان ایس ایس ایل سی مارچ 2000 میں اردو میڈیم سے نمایاں کامیابی حاصل کرنے والے طلبہ و طالبات کو سب سے زیادہ نشانات کی بنیاد پر تین انعامات دینے کا فیصلہ کیا ہے۔

(ڈاک سے)

"بزم ناز" کی شعری نشست

● نئی دہلی، 27 / مارچ: جنوبی دہلی کی فعال ادبی تنظیم "بزمِ ناز" کی ایک اہم نشست گذشتہ دنوں منعقد ہوئی جس میں شہر کی کئی اہم شخصیتوں نے شرکت کی۔ دو حصوں میں منقسم اس نشست کے پہلے دور کی صدارت رفعت سروش اور دوسرے کی زبیر رضوی نے کی۔ نظامت کے فرائض شبانہ نذیر نے انجام دیے۔

شرکائے بزم میں ابوالفیض سحر، ایم قمرالدین اور بیگم قمرالدین، محترمہ نسیم مخموری، شجاع خاور، حسن کاظمی اور نرمل رائے پوری وغیرہ شامل تھے۔ پہلے دور کے آغاز میں رفعت سروش اور شبانہ نذیر نے "بزمِ ناز" کے بانی اور میزبان پروفیسر طاہر محمود اور ان کے صاحبزادے ایڈووکیٹ سید سیف محمود کو حجاز مقدس کے سفر اور حج بیت اللہ کی ادائیگی پر تمام شرکائے بزم کی طرف سے تہنیت پیش کی۔

اس کے بعد پروفیسر طاہر محمود نے حرم شریف اور منیٰ میں کہی ہوئی اپنی جذباتی نظم سنائی۔ اس کے بعد نشست میں موجود شعرا نے اپنا کلام پیش کیا۔

پروفیسر طاہر محمود نے شجاع خاور کے فن پر ایک مختصر مقالہ پڑھا اور ان کی ایک غزل بھی پڑھ کر سنائی۔ نشست زبیر رضوی کی تقریر پر ختم ہوئی جس کے آخر میں انھوں نے اپنا ایک گیت سنا کر حاضرین کو بے حد محظوظ کیا۔

(راشٹریہ سہارا، نئی دہلی)

اردو فاؤنڈیشن کا جلسہ

● نوئیڈا، 8 / اپریل کو رفعت سروش کے مکان پر اردو فاؤنڈیشن کا جلسہ پروفیسر طاہر محمود، سابق چیئرمین، اقلیتی کمیشن کے زیرِ صدارت منعقد ہوا۔ ابتدا میں رفعت سروش نے اردو کے مشہور و معروف دانشور، محقق اور شاعر کالی داس گپتا رضا کی اچانک رحلت پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے ایک مضمون پڑھا جس میں بہ طور خاص ان کی تازہ کتاب "ابھی ناؤنہ باندھو" کے حوالے سے ان کی غزل کا جائزہ پیش کیا۔ پھر تعزیتی قرار داد پاس ہوئی اور دو منٹ خاموش کھڑے رہ کر ان کو خراج عقیدت پیش کیا گیا۔

اردو ہندی کے اس ملے جلے جلسے میں مضامین، افسانے اور

نظمیں اور غزلیں سب ہی کچھ پڑھا گیا۔ ڈاکٹر شبانہ نذیر نے رفعت سروش کا بے حد تاثراتی خاکہ پڑھا۔ ڈیڈی کے عنوان سے ایک کہانی ڈاکٹر عزیز برنی نے سنائی جس میں ایک ہوس پرست شخص کو خود اس کی بیٹی اپنی گولی کا نشانہ بناتی ہے۔ یہ کہانی حقیقت نگاری کی مثال تھی۔ مہمان خصوصی برطانوی افسانہ نگار، محسن شمسی نے اپنی کہانی "نیلے سونے کا پہاڑ" میں مغربی تہذیب کے حوالے سے رشتوں کی شکست و ریخت پر روشنی ڈالی۔ "شیر کے روبرو" اس عنوان کے تحت نوید سروش نے اپنے ذاتی تجربات کو مضمون میں ڈھالا۔ ہندی کی شاعرہ رکشاشرما نے اپنی کویتا "دستک" سنائی اور راجیو آشیش کی کویتا "آئینے کے سامنے" پسند کی گئی۔ شاہینہ خان نے انگریزی نظمیں سنائیں۔ اس کے بعد حسن کاظمی، راج کماری دارنا، قیس رام پوری، اسد رضا، بی پی سری واستو رند، قمر سنبھلی، ملک زادہ جاوید، ابرار کرتپوری، نسیم مخموری اور رفعت سروش نے اپنی اپنی غزلیں پیش کیں۔ (ڈاک سے)

خواجہ احمد عباس ایوارڈ

● پھلواری شریف۔ دانش مرکز کے زیر اہتمام "اردو تحریک" کے سلسلے میں 11/مارچ 2001 جناب مشرف علی کے دولت کدے پر منعقد ایک ادبی تقریب میں ادبی تنظیم ساہتیہ کار سنسد سستی پور کی جانب سے تنظیم کے صدر ہری ونش نرائن ترون کی جانب سے اور جناب ناشاد اورنگ آبادی سکریٹری ساہتیہ کار سنسد کی سربراہی میں اردو کے صحافی اور بہار اردو اکادمی کے سکریٹری جناب رضوان احمد کو جناب ہارون رشید کے ہاتھوں "خواجہ احمد عباس ایوارڈ" پیش کیا گیا۔ یہ ایوارڈ رضوان احمد صاحب کی کتاب "کن فیکون" پر دیا گیا۔ اس موقع پر جناب قوس صدیقی، جناب عبدالرب جاوید، جناب ناشاد اورنگ آبادی اور جناب ہارون رشید نے رضوان احمد صاحب کی ادبی اور صحافتی خدمات پر اظہار خیال کیا۔ (ہماری زبان، نئی دہلی)

علامہ اقبال ایوارڈ

● مئوناتھ بھنجن، 19/مارچ: صاحب طرز شاعر فضا ابن فیضی کا جشن یہاں باوقار ادبی تقریب کی شکل میں منایا گیا۔ سر اقبال پبلک اسکول کے زیر اہتمام منعقدہ اس جشن کے موقعے پر ہونے والے سمینار کی صدارت مولانا ضیاء الدین اصلاحی (دار المصنفین اعظم گڑھ) نے کی۔ انھوں نے اپنا مقالہ "سر شاخ طوبیٰ پر ایک نظر" کے عنوان سے پیش کیا۔ مقالہ نگاروں نے فضا کے حوالے سے مختلف موضوعات پر اپنے مقالے پیش کیے ڈاکٹر امتیاز ندیم نے "فضا ابن فیضی کی مذہبی شاعری" کے عنوان سے ڈاکٹر شفیق اعظمی نے فضا ابن فیضی کی غزل گوئی، ڈاکٹر شکیل احمد نے فضا ابن فیضی کی نظم نگاری، اطہر افضال اور ڈاکٹر ایم نسیم اعظمی نے فضا ابن فیضی کی رباعیات ارشد علی انصاری نے فضا کی شاعری مشاہیر کی نظر میں جیسے عنوانات پر اپنے مقالے پیش کیے جبکہ انیس ادیب نے اردو زبان کے ماضی حال اور مستقبل پر ایک مبسوط تقریر کی۔ اس پروگرام میں فضا ابن فیضی کو علامہ اقبال ایوارڈ 15000 روپے اور توصیفی سند دی گئی۔

سمینار کے بعد ہونے والے مشاعرے کی نظامت کے فرائض ڈاکٹر امتیاز ندیم نے انجام دیے۔ مشاعرے میں فضا ابن فیضی نے اپنی دو تازہ رباعیاں پیش کیں۔

واضح رہے کہ فضا ابن فیضی کے اب تک چھے مجموعہ کلام منظر عام پر آچکے ہیں اور ان سبھی مجموعوں پر اردو اکیڈمی لکھنؤ، دہلی، بہار اور غالب اکیڈمی، میر اکیڈمی، دانشکدہ مئو، کی طرف سے انعامات سے نوازا گیا۔ جبکہ ادبی و شعری خدمات کے اعتراف میں صدر جمہوریہ ایوارڈ سے بھی انھیں نوازا جاچکا ہے۔ (راشٹریہ سہارا، نئی دہلی)

رسم اجرا

کاروانِ رامپور

● رامپور، 21/مارچ: گذشتہ شب یہاں ناہید سنیما کے گراؤنڈ میں رامپور کے بزرگ شاعر منشی دولہا جان خاں عارف تسلیمی کی کتاب "کاروانِ رامپور" کے رسم اجرا کی تقریب اور ایک مشاعرے کا انعقاد کیا گیا جس کا اہتمام دربار ادب رامپور نے کیا تھا۔ تقریب کی صدارت ایڈیشنل جوڈیشل مجسٹریٹ شری تنویر احمد وصفی نے کی جب کہ تقریب کے مہمان خصوصی ایڈیشنل جوڈیشل مجسٹریٹ شری بی ڈی نقوی تھے اس موقعے پر نقوی نے بزرگ شاعر منشی دولہ جان خاں عارف تسلیمی کو شال اوڑھا کر انھیں اعزاز سے سرفراز کیا اور دربار ادب کی جانب سے انھیں پانچ ہزار روپے کا چیک دیا۔ کتاب کی رسم اجرا کے بعد مشاعرے کا دور شروع ہوا۔ مشاعرے کی نظامت جناب مرتضیٰ فرحت نے انجام دی۔ تقریباً تیس بیرونی اور مقامی شعرا نے اپنا کلام پیش کر کے سامعین سے داد حاصل کی۔ (اخبار مشرق، دہلی)

بے برگ

● نئی دہلی، 7/اپریل، نرمل سنگھ نرمل رائپوری کے مجموعہ کلام "بے برگ" کی رسم اجرا جناب سلمان خورشید، چیئرمین پالیسی

پلاننگ کوارڈینیشن کمیٹی، آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے دستِ مبارک سے ہوئی۔ تقریب کی صدارت جناب گوپی چند نارنگ نے کی۔ جناب مہندر سنگھ ساتھی، وزیر مالیات، دہلی سرکار بطور مہمانِ خصوصی شامل تھے۔ جناب م افضل، سکریٹری آل انڈیا کانگریس کمیٹی شعبۂ اقلیت، سابق ایم پی، جناب قادری محمد میاں مظہری، چیئرمین، نیشنل ڈیولپمنٹ اینڈ فائننس کارپوریشن، جناب موسیٰ رضا، سابق سکریٹری بھارت سرکار، جناب منصور احمد عثمانی، سکریٹری اردو اکادمی، دہلی، جناب جوگندر سنگھ سابق ڈائرکٹر سی بی آئی، جناب ہر سروپ سنگھ، سابق لیفٹننٹ گورنر اور جناب وسیم الحق، اڈیٹر اخبارِ مشرق مہمانانِ ذی وقار کی کرسیوں پر رونق افروز تھے۔

سبھی مقررین نے نرمل رائپوری کی شاعری کو مذہبی رواداری، حب الوطنی اور انسانیت کی شاعری قرار دیا۔ جناب سلمان خورشید نے کتاب کا اجرا کرتے ہوئے اپنی تقریر میں نہایت خوشگوار لہجے میں کہا کہ نرمل رائپوری نے ہمیں بے برگ شاخ نہیں بلکہ ایک گلدستہ پیش کیا ہے اور آج کے اس جلسے سے لگتا ہے کہ شاید تقسیمِ ہندیا تقسیم پنجاب کے واقعات رونما ہی نہیں ہوئے۔ اگر کچھ ہوا ہے تو غلط ہوا ہے۔ نہ ہماری مشترک تہذیب الگ ہو پائی۔ نہ زبان الگ ہو پائی۔

نرمل رائپوری نے اپنا کلام ایک نظم "میری ہٹی میرا گانو" اور متفرق شعروں کی صورت میں پیش کیا جس کی سامعین نے بھرپور پذیرائی کی۔

پروفیسر گوپی چند نارنگ نے اپنے صدارتی کلمات میں نرمل رائپوری کی نظم "شہید فوجی کا نوحہ۔ امنِ عالم کے نام" کے بارے میں رائے کا اقتباس اور نظم کا کچھ حصہ پڑھ کر سناتے ہوئے کہا کہ نرمل رائپوری کی شاعری انسانیت کی بقا کی شاعری ہے اور براہِ راست دلوں پر اثرانداز ہونے والی شاعری ہے۔ تقریب کی نظامت جناب معین شاداب نے کی۔ اس شاندار تقریب کا انعقاد انڈیا انٹرنیشنل سینٹر میں جناب سید ظفر محمود ڈائرکٹر جنرل گاڈس گریس فاؤنڈیشن کی طرف سے کیا گیا۔

امیر نامہ گنگا جمنی تہذیب کا درپن

● 30/ مارچ کو راجستھان کے پچاسویں جشن کے اختتام کے موقعے پر جنگِ آزادی کے شہباز اور ہندستان کی مشترکہ تہذیب کے علمبردار نواب امیر خاں کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لیے کلا سنگھ کی جانب سے ایک جلسہ زیرِ صدارت صاحبزادہ عبدالمعید خاں صاحب ڈائرکٹر مولانا ابوالکلام آزاد عربی و فارسی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، ٹونک منعقد ہوا جس میں ضلع ٹونک کے کلکٹر شری نریش پا گنگوال کو مہمانِ خصوصی اور مولانا سید منظور الحسن برکاتی معتمد دارالعلوم کو مہمانِ خاص کے طور پر شریک کیا گیا۔ کلا سنگھ کے صدر شری ہنومان پرساد بطور منتظم جلسے میں موجود تھے۔

ڈاکٹر محمد ریاض الدین خاں صاحب نے امیر نامہ پر ہندی زبان میں اپنے پانچ مقالات کا جو مجموعہ تیار کیا تھا اس کی رسمِ اجرا جناب گنگوال صاحب کلکٹر کے مبارک ہاتھ سے انجام دی گئی۔ امیر نامہ تاریخِ آزادی کے ایک ہیرو نواب امیر خاں کے حالاتِ زندگی و خدمات کا احاطہ کرتی ہے۔ ڈاکٹر محمد ریاض الدین خاں نے اپنی کتاب کی خاص خاص باتوں پر روشنی ڈالی۔ ڈاکٹر چاتک صاحب، ہنومان سنگل صاحبان نے کتاب پر اظہار خیال کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد ریاض الدین خاں کو ان کے کام پر پرخلوص مبارکباد دی۔ (ڈاک سے)

جوابات : کوئز

(1)ب (2)ب (3)د (4)ج (5)د (6)د (7)ج (8)ب (9)د (10)الف (11)د (12)الف (13)ب (14)الف (15)ب (16)ب
(17)ب (18)ب (19)د (20)د (21)ب (22)ب (23)د (24)ب (25)ج (26)د (27)د (28)د (29)د (30)الف (31)د
(32)الف (33)ب (34)د (35)الف (36)ج (37)ج (38)ج (39)الف (40)ج (41)ج (42)الف (43)د (44)ب (45)ج
(46)الف (47)ب (48)الف (49)ب (50)د

تبصرہ و تعارف

تعلیم، سماج اور کلچر / اے۔ کے۔ سی۔ اوٹاوے

مترجم: اختر انصاری
ڈیمائی، 238 صفحات، 61 روپے
ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی
مبصر: ابو ظہیر ربانی

تعلیم کا مقصد انسانی صلاحیتوں کو پروان چڑھانا اور شخصیت کے ہمہ گیر ارتقا کے ساتھ ساتھ سماج کی فلاح و بہبود میں ایک کلیدی رول ادا کرنا بھی ہوتا ہے۔ زیرِ مطالعہ کتاب میں تعلیم، سماج اور کلچر سے متعلق انقلاب آفریں خیالات پیش کیے گئے ہیں جن سے ایک نئے نظامِ تعلیم اور بہترین طرزِ زندگی کی طرف رہ نمائی ہوتی ہے۔ کتاب 9 ابواب پر مشتمل ہے۔

پہلا باب ''تعلیمی سماجیات'' ہے جس میں سماج کیا ہے، نیز سماج اور جمعیت پر جو تقریباً ایک ہی مفہوم میں استعمال ہوتے رہے ہیں، روشنی ڈالتے ہوئے ان دونوں کے فرق کو مثالوں کے ذریعے واضح کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ تعلیم کو سمجھنے کے لیے سماج اور جمعیت کا سمجھنا بھی ضروری ہے کیوں کہ ان دونوں کا تعلیم سے گہرا تعلق ہے۔ اس کے بعد تعلیم کا دائرۂ کار، تعلیم اور کلچر میں تعلق اور تعلیمی نہج کو متعین کرنے والے سماجی عناصر کا جائزہ مختلف ماہرینِ تعلیم اور ماہرینِ سماجیات کی آرا کو سامنے رکھتے ہوئے لیا گیا ہے۔

دوسرے باب میں کلچر سے متعلق مختلف مفکروں کے خیالات کی روشنی میں کلچری اوضاع اور کردار عمل جیسی اصطلاحوں پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ تعلیم کے میدان میں کلچر کے تصورِ کلی کی اہمیت کو مشاہداتی تحقیق سے واضح کیا گیا ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ بچوں کی تعلیم و تربیت پر معاشرے اور کلچر کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اس کا بھی جائزہ لیا گیا ہے کہ ایک معاشرے کا کلچر دوسرے سے کس طرح مختلف ہوتا ہے اور فرد کی شخصیت سماج کے کلچر سے کس حد تک متاثر ہوتی ہے۔

تیسرا باب اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ کسی سماج کا کلچر تکنیکی ایجادات اور اقدار کے باہمی عمل اور ردِ عمل سے کیسے متعین ہوتا ہے۔ کسی سماج کی زندگی کا جائزہ لینے کے لیے ان کا عقیدہ، مذہب، فلسفہ اور نظامِ فکر جیسے کلچر سے متعلق پہلوؤں کی جانکاری کو اقدار کا نام دیا گیا ہے۔ ساتھ ہی اس بات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے کہ تکنیک اور اقدار دونوں میں تبدیلیاں بھی ہوتی ہیں لیکن سماجی تبدیلی کو تکنیکی یا اقدار کی تبدیلی سمجھ لینا غلط ہوگا۔ سماج ان دونوں سے متاثر ہوتا ہے۔ تکنیک اور اقدار کی تبدیلیاں کلچر کے مادی اور غیر مادی پہلوؤں کے ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔ اس باب میں مصنف نے اس بات کا بھی جائزہ لیا ہے کہ کوئی ایجاد مکمل طور پر نئی نہیں ہوتی بلکہ براہِ راست پچھلی ایجاد پر مبنی ہوتی ہے۔ سائنسی علم جس قدر بڑھتا ہے اسی قدر ایجادات میں اضافہ ہوتا ہے۔ سماجی طاقت کا مقصد سماجی عمل یا سماجی تبدیلی پیدا کرنا بتایا گیا ہے۔ اس باب میں اس بات کی بھی وضاحت کی گئی ہے کہ سماجی گروہ حکومت پر بلاواسطہ یا بالواسطہ اپنا اثر ڈال کر نظامِ تعلیم کو بدلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ سماجی تبدیلی اور تعلیمی تبدیلی کا باہمی رشتہ بڑا عمیق ہے اور بہت حد تک تبدیلی کے عمل میں دونوں ایک دوسرے پر گہرے اثرات مرتب کرتے ہیں۔

انیسویں صدی کے وسط اور بیسویں صدی کے نصفِ اوّل میں سماجی طاقتوں نے انگلستان میں ابتدائی اور ثانوی تعلیم کے ارتقا پر اپنے نظریے کے مطابق جو اثرات مرتب کیے اس کا تفصیلی بیان چوتھے باب میں کیا گیا ہے۔ تعلیمی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ تکنیکی تبدیلیوں نے سماجی اور کلچرل زندگی کو جس طرح انگلستان میں متاثر کیا اس کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔ اس مدت میں وہاں تعلیم کی صورت کیا تھی، حکمراں طبقہ نچلے اور محنت کش طبقے کو کس نظر سے دیکھتا تھا، ذی اقتدار لوگ نچلے طبقے کو کس قسم کی تعلیم دلانے کی ضرورت محسوس کرتے تھے، نیز اس مدت میں جو خاص طرز کے اسکول وجود میں آئے ان کی بتدریج ترقی کن حالات میں ممکن ہو سکی، ان تمام باتوں پر تحقیقی نظر ڈالی گئی ہے۔

پانچواں باب ہمارے سماج کی تعلیمی ضروریات سے بحث کرتا ہے۔ بیسویں صدی کے دوسرے نصف میں صنعتی انقلاب کے اس دور کا بھی ذکر ملتا ہے جبکہ انسان غیر محدود مادی طاقتوں کا مالک بن چکا تھا۔ علاوہ ازیں اس باب میں ایک وسیع الجہت سماج کا جائزہ لیتے ہوئے جمہوریت کی بدلتی ہوئی فطرت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ساتھ ہی موجودہ سماجی ضروریات کی روشنی میں تعلیمی نظام کے رول کو زیرِ بحث لایا گیا ہے۔

چھٹا باب بچوں کے ذہن و شخصیت کی تعمیر و تخریب میں کارفرما

عوامل کے بیان پر مبنی ہے۔ اس میں تعلیم کے سماجی رول کے تصور کلی کو پیش کیا گیا ہے اور خاندان کے اہم ترین فرائض کا جائزہ لے کر ان میں ہونے والی تبدیلیوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔ والدین اور معلمین کے باہمی تعلقات اور بچے پر پڑنے والے بیرونی کلچر کے اثرات پر بھی موصوف کی گہری نظر ہے۔ ساتویں باب میں مدرسہ یا اسکول کو ایک سماجی اکائی یا ایک خصوصی نوعیت کے سماج کی حیثیت سے تسلیم کیا گیا ہے۔ اسکول کے سماجی ڈھانچے کو جمہوری عمل کا پابند ہونا لازمی قرار دیا گیا ہے لیکن اسکول کس حد تک جمہوری بنیاد پر استوار کیا جائے اسے بھی موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ موصوف نے بچوں میں کام کرنے کی ذمے داری کا احساس پیدا کرنے کے طریقوں پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ امریکہ کے جن عالموں نے کاموں کے اختیارات کے استعمال پر نوعمروں کے کلبوں میں طلبہ کے منتخب گروہوں کی مدد سے جو تحقیقی کام انجام دیے ان کے نتائج کا خلاصہ نیز ان کے مضمرات کو بھی پیش کیا ہے۔

''انسانی کرداری عمل کی سائنس'' کو آٹھویں باب میں موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ اس میں فرد جو کچھ ہے وہ کیوں ہے اور کیوں کر ہے، وہ جہاں ہے وہاں تک کس طرح پہنچا اور کس طرح تبدیل ہو سکتا ہے وغیرہ سوالات کا حل تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ چھوٹے چھوٹے گروہوں کے آغاز کا سبب اور گروہوں کے اندر ہونے والے تناؤ کی طرف توجہ مبذول کراتے ہوئے گروہ کے سربراہ کے فریضے پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ استاد بھی تعلیمی گروہ کے سربراہ کی حیثیت سے کام انجام دیتا ہے لیکن اس کی نوعیت مختلف بتائی گئی ہے۔

نویں باب میں آزادی اور جمہوریت کو بہترین طریق حیات قرار دیا گیا ہے اور بہترین طریقۂ حیات کے لیے مناسب نصب العین کی ضرورت کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ اس ضمن میں سماج اور تمدن سے متعلق مختلف ماہرین سماجیات کے خیالات کا جائزہ لیا گیا ہے اور اس بات کی نشاندہی کی گئی ہے کہ تمدن کو مادی ترقی سے تعبیر کرنا غلط ہے۔

مختصر یہ کہ اس کتاب میں ان تمام مسائل کو زیر بحث لایا گیا ہے جن کا تعلق تعلیم سے ہے اور ان کے حل کے لیے تجاویز پیش کی گئی ہیں۔ مذکورہ کتاب تعلیم، سماج اور کلچر کو ایک دوسرے کا لازم و ملزوم قرار دیتی ہے۔ گویا یہ آپس میں ایک دوسرے سے ایک کڑی کی شکل میں جڑے ہوئے ہیں جو ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے رہتے ہیں۔ بلاشبہ یہ کتاب تعلیم، سماج اور کلچر کے مسائل پر فکر کے نئے باب وا کرتی ہے۔ امید ہے کہ اس کے مطالعے سے علم دوست حضرات پر یہ بات روشن ہو جائے گی کہ تعلیم، سماج اور کلچر ہم آہنگ ہو کر صحیح رخ پر انسان کی تربیت کیسے کرتے ہیں۔ یہ اپنے طرز کی بالکل اچھوتی تصنیف ہے۔ قومی کونسل قابل مبارک باد ہے کہ اس نے یہ کتاب شائع کر کے ایک کارنمایاں انجام دیا ہے۔

●

ہڈ بتی (درد کہانی)/رتن سنگھ

ڈیمائی، 107 صفحات، 100 روپے

پبلشر: رگھبیر پبلشرز، جبل پور (مدھیہ پردیش)

مبصر: سہیل عاقب

تقسیم ہند ہماری تاریخ کا ایک ایسا ہیبت ناک واقعہ تھا جس نے ہندستان کی معاشرت کو ہر سطح پر زیروزبر کر کے رکھ دیا۔

''ہڈ بتی'' رتن سنگھ کی ایک پنجابی نظم ہے جسے موصوف نے اردو میں ''درد کہانی'' کے عنوان سے ایک نئی تخلیق بنا کر پیش کیا ہے۔ نظم نگار نے بٹوارے سے قبل اپنے گھر، گانو، محلہ، معاشرت اور تہذیب کی جھلکیاں پیش کی ہیں۔

مصنف اس نظم کا کردار خود ہے جو تحصیل نارواں کے ایک گانو 'داؤد' کا باشندہ تھا اور اب اس کی پرانی یادیں اس کا مقدر بن چکی ہیں۔ وہ اپنے ایک پاکستانی دوست کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ تمھارا ملک جو تمھیں بہت پیارا ہے وہ کبھی میرا بھی دیش ہوا کرتا تھا۔ حالاں کہ میں اسے آج بھی بہت پیار کرتا ہوں مگر آج اُسے اپنا کہنے پر بھی پابندی ہے۔

اس نظم میں ہندو مسلم اتحاد اور آپسی میل جول کی ایک بے مثال فضا قائم کی گئی ہے۔ اس کے خیر خواہوں کی ایک خاصی طویل فہرست ہے جس میں سب سے زیادہ یاد آنے والی اُس کی محبوبہ ''عیشاں'' ہے جس کے ساتھ اس نے بچپن کے ایام کھیلنے کودنے اور بیر سیانے میں گزارے تھے اور مولوی امام دین جن کی گود میں چڑھ کر اسکول جایا کرتا تھا اور شیشم کے پیڑ کے نیچے ٹاٹ کی پٹی پر بیٹھ کر الف۔ ب کا سبق یاد کرتا تھا۔

اسے اپنے تمام دوستوں میں عیشاں سب سے زیادہ یاد آتی ہے۔

نظم میں دیہی زندگی کے پرکشش مناظر کو بڑے متحرک انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ مثلاً کھیتوں میں جھولا جھولنا، رہٹ چلا کر اس کی ٹنڈوں میں نلکی ڈال کر پانی پینا، گانو کا سانجھا چولہا، سنگ کا بیلا، کولہو میں بنتا ہوا دانے دار گڑ اور بڑے پیر صاحب کے مزار کا عرس ان سب چیزوں نے مل کر غیر منقسم ہندستان کی ثقافت کی عمدہ تصویر کشی کی ہے۔

نظم کا غالب آہنگ ''نثری نظم'' کا آہنگ ہے جو نثری ہوتے ہوئے بھی اپنے داخلی آہنگ کی بنا پر موزوں طبع قارئین کی طبیعتوں پر

بار نہیں گزرتا اور پوری نظم میں کہانی کی سی دلچسپی برقرار رہتی ہے۔ شعر اور نثر کے امتزاج نے اس کو "نثری منظوم افسانہ" کا قالب عطا کیا ہے۔ جسے قاری ایک بار شروع کرکے آخر تک گنگناتا چلا جاتا ہے۔ نظم سے ایک مثال بہ طور نمونہ ملاحظہ ہو:

میرے لیے تو داؤد ہی کعبہ
اماں میں کیسے پاؤں
میرا تو اب دل کرتا ہے
کلمہ پڑھ کر مومن بن کے
حج کرنے کو جاؤں
چاروں طرف طواف میں کرتا
جگہ جگہ پہ ماتھا ٹیکوں
وہیں کہیں پہ جان میں دے دوں
وہیں کہیں مر جاؤں

●

گوری / اجیت کور، مترجم: خالد محمود

ڈیمائی، 112 صفحات، 150 روپے
ناشر: موڈرن پبلشنگ ہاؤس، 9، گولا مارکیٹ، دریا گنج، نئی دہلی-6
مبصر: پریم پال اشک

اجیت کور پنجابی کی ممتاز مصنفہ ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی انھوں نے ہندی میں بھی اپنی شناخت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ پنجابی میں ابھی تک ان کی پندرہ کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں۔ "گوری" ان کا پہلا ناول ہے جس کا اردو ترجمہ شائع ہوا ہے انھوں نے اپنی اس پہلی کاوش ہی سے اردو دنیا کو چونکا دیا ہے۔

عورت ہمیشہ جنسی استحصال کا شکار رہی ہے اور اس کی عکاسی بھی ہر دور میں ہوتی رہی ہے لیکن اجیت کور نے اپنے ناول میں مرد کی بے حیائی، بے غیرتی اور بے مروتی کا شکار ہونے والی پسماندہ طبقے کی ایک سیدھی سادی لڑکی کی جو تصویر کشی کی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ ناول پڑھ کر ایک مرتبہ تو دل لرز اٹھتا ہے۔ مردوں کی بہیمیت پر لعنت بھیجنے کو جی چاہتا ہے۔ "گوری" ایک پسماندہ علاقے میں پیدا ہوئی ہے، اسے ایک ٹھیکے دار بچپن میں اس کے باپ سے چند سو روپوں میں یہ دلاسہ دیتے ہوئے خرید لیتا ہے کہ وہ اسے اپنی بیٹی کی طرح رکھے گا۔ وہ گوری کو کلکتہ لے جاتا ہے جہاں اسے اپنے گھر میں بند ہوا مزدورنی کی طرح رکھتا ہے اور وقتاً فوقتاً اس کا جنسی استحصال بھی کرتا ہے۔ "گوری" کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوتا ہے جسے نام ملتا ہے بڑے گھرانے کا اور وہ اس گھر کا چشم و چراغ بن کر رئیس کی بگڑی اولاد ثابت ہوتا ہے۔ آخر جب اس کے منہ بولے والدین وفات پا جاتے ہیں تو وہ اپنی حقیقی ماں ہی کو اپنی جنسی ہوس کا شکار بناتا ہے۔ "گوری" کو اس کے آبائی وطن لے جایا جاتا ہے جہاں اس کی بوڑھی ماں اور بھائی تک اُسے پہچاننے سے انکار کر دیتے ہیں۔ آخر بیٹے کی جنسی ہوس کی شکار گوری کلکتہ کے اپنے گھر سے بھاگ جاتی ہے۔

ہمارے یہاں انسانی رشتوں کی جڑیں کس حد تک کھوکھلی ہو گئی ہیں اور مرد کی آنکھ کا پانی کس حد تک مر چکا ہے، بھائی، بہن، باپ بیٹی اور ماں بیٹے کے مقدس رشتے کس طرح اپنی حرمت کھو رہے ہیں، یہی اس ناول کا ہوشربا تانا بانا ہے جسے ایک ہی نشست میں پڑھنے میں تاثر دوبالا ہو جاتا ہے۔

اجیت کور نے گوری کے کردار میں واقعی جان ڈال دی ہے لیکن یہ کردار ہے بالکل بے بس، بے مایہ اور لاچار اس لیے آخر راہِ فرار اختیار کرنے کے سوا اس کے پاس اور کوئی چارہ نہیں رہ جاتا۔

اجیت کور کا انداز بیان چست ہے۔ ایسا جاندار اور بے باک ناول تحریر کرنے پر جہاں مصنفہ کی جرأت کی داد دی جانی چاہیے وہاں اس کا ناشر بھی مبارک باد کا مستحق ہے کہ جس نے ناول کو بڑے خوبصورت انداز میں شائع کیا ہے۔ خالد محمود صاحب نے ترجمہ اچھا کیا ہے۔

●

انفراد / ڈاکٹر نوشاد احمد کریمی

ڈیمائی، 96 صفحات، 100 روپے
تقسیم کار: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، کوچہ پنڈت، لال کنواں-6
مبصر: اخلاق احمد آہن

"انفراد" ڈاکٹر نوشاد احمد کریمی کا پہلا شعری مجموعہ ہے، جو غزلوں پر مشتمل ہے۔ موصوف کا کلام پچھلے کئی برسوں سے مختلف مجلوں اور رسائل میں چھپتا رہا ہے۔ موصوف ادبی ماحول کے پروردہ ہیں اور شعر و شاعری کا ہنر نہ صرف وراثت میں پایا ہے بلکہ اسے نئے رنگ و آہنگ سے ہمکنار کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔

نئی نسل کے شاعروں میں ڈاکٹر نوشاد احمد کریمی کی آواز منفرد اور جداگانہ ہے، جو انھیں ممتاز مقام بخشتی ہے۔ خاص طور سے ایسے وقت میں جب اردو میں شعری مجموعوں کا سیلاب آیا ہوا ہو۔ موصوف نے موجودہ دور میں درپیش متضاد حالات، اجتماعی مسائل، انفرادی کرب

اور فکر واحساس کو بڑی مہارت سے غزل کے پیکر میں ڈھالا ہے۔ ان کے کلام کی بڑی خصوصیت کلاسیکی روایت اور عصری زندگی کی ناہمواریوں، مسائل اور پیچیدگیوں سے لت پت مخصوص لہجے کا فنکارانہ امتزاج ہے۔ ان کے تخلیقی شعور کا پرندہ اپنے عہد کے قفس کو توڑنے کے لیے پر تولتا ہوا معلوم ہو رہا ہے۔ خاص طور سے غزل جیسی نازک صفِ سخن میں جس خوبصورتی اور صناعی سے عصری موضوعات کو انھوں نے برتا ہے، وہ محسوس کرنے کی چیز ہے:

سرابوں کا تسلسل ہے، دہکتے ریگزاروں میں
سفر دشوار ہے اور تشنگی قسمت میں لکھی ہے

بہت مشکل ہے تیری ذات کی باریکیاں پڑھنا
کبھی ملتا ہوں تو اک تیر دل پر تازہ لگتا ہے

رقم طرازیِ حق سے ہے قبل یہ لازم
تمام شہر سے اپنی عداوتیں لکھوں

نہیں اب خیر پھل والے شجر کی
کئی ہاتھوں میں پتھر دیکھتا ہوں
مقتل میں تو اک جشنِ ستم خیز ہے یارو
شہروں میں مگر شامِ غریباں بھی نہیں ہے

گاہے گاہے نئی تراکیب اور نئے مضامین بڑے حسین انداز میں پیش کرتے ہیں:

سسکتی صبح کے ماتھے پہ گزری رات کا بوسہ
کسی کی برف یادوں کا مجھے خمیازہ لگتا ہے

سلگتے موسموں میں حسنِ جاناں بھی نہیں دلکش
کسی کے نرم چہرے پر غموں کا غازہ لگتا ہے
بدن کی شاخ سے پتّہ جنوں کا ٹوٹ گیا
بساطِ دل پہ مجھے مات ہونے والی ہے

فصیلِ غم پہ لہو کے چراغ روشن ہیں
حصارِ جسم سے باہر یہ رات کب نکلی

''انفراد'' کو پڑھنے کے بعد جو تاثر قائم ہوتا ہے، وہ بڑا امید افزا ہے۔ بلاشبہ ان کی یہ کاوش عصرِ حاضر میں اردو شعری سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے کیوں کہ ان کا کلام عہدِ جدید کی تقریباً تمام ضروری خصوصیات سے معمور نظر آتا ہے۔ ان کے یہاں زبان و بیان کے تجربات بھی ہیں، نئے موضوعات کی جمع آوری بھی اور ساتھ ساتھ روایتی تراکیب اور تاریخی تلمیحات کا برمحل استعمال بھی ہے۔ اسی سبب سے ان کی غزلوں میں بڑی وسعت اور تازگی آگئی ہے۔

●

سائنس کی مایۂ ناز ہستیاں / ڈاکٹر احرار حسین

ڈیمائی، 171 صفحات، 75 روپے

ناشر: ثنا پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹر C1-203، تاج انکلیو لنک روڈ، گیتا کالونی، نئی دہلی-31

مبصر: احمد کفیل

زیرِ نظر کتاب ''سائنس کی مایۂ ناز ہستیاں'' ڈاکٹر احرار حسین کے سائنسی شعور اور سائنس دوستی کا ثمرہ ہے۔ ایک سو اکہتر صفحات پر مشتمل اس کتاب میں موصوف نے ان پچاس سائنس دانوں کی سوانح حیات مع تصاویر کے جمع کی ہیں جن کی ایجادات سے قدم قدم پر ہمارا سامنا ہوتا ہے۔ ہوائی جہاز، فریج، کیلکولیٹر، ٹیلی ویژن، ٹیلی فون، بجلی اور کمپیوٹر اور ان جیسی اور بہت سی ایجادات ہیں جو ہماری روزمرہ کی زندگی کا اہم جزو بن چکی ہیں۔ ان عظیم سائنس دانوں کے تعارف کے لیے دیگر زبانوں کے علاوہ اردو میں بھی کئی کتابیں منظرِ عام پر آچکی ہیں۔ سرفراز احمد لاہوری کی کتاب ''دنیا کے عظیم سائنس داں'' راجیو گرگ کی کتاب ''دنیا کے مشہور سائنس داں'' ابراہیم عمادی کی کتاب ''مسلمان سائنس داں'' اور اس کے علاوہ اخبارات و رسائل میں بھی قلمکاروں نے ان عظیم سائنسی ہستیوں کی سوانح قلمبند کی ہیں۔ لیکن بقول مصنف انھوں نے ان کتب و رسائل سے الگ اپنے مضامین میں نئے حقائق پیش کیے ہیں۔ کتاب کی زبان عام فہم ہے کمپوزنگ دیدہ زیب اور بائنڈنگ دلکش ہے۔

آج کے سائنسی زمانے میں سائنس کی اہمیت و افادیت سے کون شخص منکر ہو سکتا ہے۔ ہماری زندگی کا کون ایسا شعبہ ہے جہاں ہمارے اوپر سائنس کے احسانات گراں بار نہیں ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس بات سے بھی انکار ناممکن ہے کہ ہمارے طلبہ کو جس طور پر سائنسی شعور سے آشنا ہونا چاہیے اس کا فقدان نظر آتا ہے۔ اس کی وجہ تلاش کرتے ہوئے اگر ہم یہ کہیں کہ ہمارے اردو ادب میں سائنس کی کتابوں کا فقدان ہے تو بے جا نہ ہوگا۔ انھیں ضرورتوں کے پیشِ نظر ڈاکٹر احرار حسین نے اس کتاب کو ترتیب دیا ہے تاکہ ہم قارئین محض اندھے عقیدے کی بنیاد پر نہیں بلکہ ''زندگی کے کیوں اور کیسے سے متعلق سوالات کا حل تلاش کر کے اور اپنے تجسس کی تسکین کر کے نتائج اخذ کر سکیں۔''

عبدالودود انصاری بچّوں کا گوشہ

چندا ماما

پورنیما کی رات تھی۔ نیلے آسمان پر چندا ماما کی اجلی روشنی دودھ کی طرح پھیلی ہوئی تھی۔ آسمان پر ستارے جگنو کی طرح ٹمٹما کر نہایت ہی خوش نما منظر بکھیر رہے تھے۔ طلحہ اپنی پڑھائی لکھائی ختم کر کے چھت پر گیا تو وہ بھی اس حسین اور دلفریب منظر دیکھ کر متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ طلحہ لگاتار چندا ماما کو دیکھتا رہا اور چندا ماما طلحہ کو۔ طلحہ ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ چندا ماما سے کچھ بولے کہ چندا ماما نے ہی گفتگو کا آغاز کر دیا۔ "منے- کیا بات ہے آج تم مجھے بڑے غور سے دیکھ رہے ہو-!

طلحہ : چندا ماما- آج آپ کی پوری شکل دیکھ رہا ہوں۔ کبھی تو آپ روٹھ کر آدھا مکھڑا دکھاتے ہیں تو کبھی نہ جانے کہاں ناراض ہو کر غائب ہو جاتے ہیں؟ ایسا کیوں؟

چندا ماما : منے- تم تو جانتے ہی ہو کہ میری اپنی روشنی نہیں ہے بلکہ سورج کی روشنی پڑنے سے روشن دکھائی دیتا ہوں۔ پھر یہ کہ سورج، تمھاری زمین اور میں ہمیشہ ایک سیدھ میں نہیں رہتے ہیں لیکن جب کبھی بھی تمہاری زمین اور سورج کے بیچ میرا آنا ہوتا ہے تو میری ایک جانب ہی سورج کی روشنی پڑتی ہے دوسری جانب سورج کی روشنی نہیں پڑنے کی وجہ سے بالکل تاریک رہتا ہوں۔ یہ تاریک حصہ زمین کی جانب ہونے کے سبب تم لوگ مجھے بالکل دیکھ نہیں پاتے ہو یعنی میں تم لوگوں کی نظروں سے غائب ہو جاتا ہوں۔ اسی کو تم لوگ اماوس (New Moon) کہتے ہو۔ اس کے چھے دن بعد سورج کی تھوڑی بہت روشنی پڑنے سے میری شکل پتلے ہنسوے کی طرح ہو جاتی ہے پھر آٹھ دن گزر جانے کے بعد میں نصف گولے کی شکل اختیار کر لیتا ہوں۔ اس کے پندرہ دن بعد جب سورج کی روشنی سے پورا روشن ہو جاتا ہوں تو ایک گولے کی طرح روشن دکھائی پڑتا ہوں جیسا کہ آج تم مجھے دیکھ رہے ہو یعنی پورنیما یا چودھویں کا چاند (Full Moon)۔ میرا اسی طرح گھٹتے بڑھتے نظر آنا اشغالِ قمر (Phases of the Moon) بھی کہلاتا ہے۔

طلحہ : چندا ماما۔ آپ کے نام کیا کیا ہیں؟

چندا ماما : تم اردو والے تو مجھے چاند کہتے ہو۔ ہندی والے چندرما، فارسی والے ماہتاب، عربی والے قمر جب کہ انگریز مجھے مون (Moon) کہتا ہے۔

طلحہ : چندا ماما- آپ ہیں کیا؟

چندا ماما : تم تو جانتے ہی ہو کہ جو اجسامِ فلکی سیاروں کے گرد چکر لگاتے ہیں انھیں تابع یا ذیلی سیارہ (Satellite) کہا جاتا ہے۔ چونکہ تمھاری زمین ایک سیارہ ہے اور میں اس کے چاروں طرف گردش کرتا ہوں، لہٰذا میں تمھاری زمین کا ایک ذیلی سیارہ ہوں۔

طلحہ : آپ ہمارے سب سے قریبی پڑوسی ہیں۔ تو کیا آپ بتا پائیں گے کہ آپ ہماری زمین سے کتنی دوری پر واقع ہیں؟

چندا ماما : 384, 401 کلومیٹر (قریب قریب)۔

طلحہ : ماما- آپ کی پیدائش کب ہوئی اور ابھی آپ کی عمر کتنی ہے؟

چندا ماما : منے- بس اتنا سمجھ لو کہ جب اللہ نے دنیا بنائی اسی وقت سے سورج، ستاروں اور دیگر سیاروں کے ساتھ میں بھی موجود ہوں۔ ابھی میری عمر 406 بیلین سال کے قریب ہے اور تم حساب جانتے ہی ہو کہ ایک بیلین برابر ہوتا ہے دس کھرب کے۔

طلحہ : چندا ماما- ہم زمین والے آپ کو گول اور روشن دیکھتے ہیں۔ آپ کو ہماری زمین کیسی لگتی ہے؟

چندا ماما : مجھے بھی تمھاری زمین گول نظر آتی ہے۔ فرق صرف اتنا کہ تم مجھے جتنا روشن دیکھتے ہو اس سے زیادہ تمھاری زمین مجھے روشن دکھائی پڑتی ہے۔

طلحہ : ایسا کیوں؟

چندا ماما : اوّل تو تمھاری زمین مجھ سے 50 گنا بڑی ہے اس لیے سورج کی روشنی مجھ سے زیادہ پڑتی ہے۔ دوئم یہ کہ تمھاری زمین کے لگ بھگ 70 فیصد حصّے میں پھیلا ہوا اٹیلنگوں سمندر ہے اور اس کی وجہ سے تمھاری زمین ہلکے نیلے رنگ کی اور بڑی دلکش دکھائی پڑتی ہے۔ شاید اسی لیے تمھاری زمین کا نام نیلا سیارہ (Blue Planet) بھی ہے۔

طلحہ : اچھا یہ بتائیے کہ کیا دن اور رات میں آپ کا درجۂ حرارت یکساں رہتا ہے۔!!

چندا ماما : نہیں منّے - دن کے وقت میرا درجۂ حرارت 100 سے 127 ڈگری سنٹی گریڈ جب کہ رات میں درجۂ حرارت (-150) سے (-183) ڈگری سنٹی گریڈ کے درمیان رہتا ہے اسی لیے ہماری نگری میں دن کے وقت سخت گرمی اور رات کے وقت سخت سردی پڑتی ہے۔

طلحہ : آپ کے یہاں ہوا، پانی اور بارش وغیرہ کا کیا نظم ہے؟

چندا ماما : ہماری دھرتی پر نہ تو ہوا ہے اور نہ ہی پانی۔ ہمارے یہاں نہ آندھی آتی ہے اور نہ ہی بارش ہوتی ہے۔ ہماری دھرتی پر اونچی، نیچی چٹانیں اور ہزاروں آتش فشاں پہاڑ ہیں۔

طلحہ : ماما- یہ آتش فشاں پہاڑ آپ کی دھرتی پر کہاں سے آئے؟

چندا ماما : منّے - میرے اوپر شہاب ثاقب (Meteorite) گرنے سے آتش فشاں پہاڑ وجود میں آئے۔

طلحہ : آپ کے یہاں سب سے لمبا آتش فشاں کون سا ہے اور اس کی لمبائی کتنی ہے؟

چندا ماما : سب سے لمبے آتش فشاں کا نام بیلی آتش فشاں (Bailly Crater) ہے جسکی لمبائی تقریباً 180 میل ہے۔

طلحہ : اچھا یہ بتائیے کہ آپ کی دھرتی پر ہوا کیوں نہیں ہے؟

چندا ماما : کیا بتاؤں منّے - اللہ نے میرے اندر گیس کے سالموں کو پکڑ کر رکھنے کی قوت عطا نہیں کی ہے اس لیے ہوا میں موجود گیسوں کو پکڑ کر رکھنا میرے بس کی بات نہیں ہے۔ لہٰذا ہماری دھرتی تمھاری زمین کی چیخ و پکار، آہ و بکا اور شور شرابے جیسی آوازوں سے پاک ہے میری اسی خوبی کی بنا پر میرا نام خاموش سمندر (Sea of Tranquility) بھی ہے۔

طلحہ : سنا ہے آپ کی نگری میں زلزلے بھی آتے ہیں؟

چندا ماما : تم نے ٹھیک سنا ہے۔ ہاں زلزلے بھی آتے ہیں۔

طلحہ : ماما - آپ گول نظر آتے ہیں تو آپ کی گولائی یعنی آپ کا قطر (Diameter) کتنا ہے؟

چندا ماما : 3476 کلو میٹر۔

طلحہ : ماما- آپ کی جسامت یعنی آپ کا حجم (Volume) کتنا ہے؟

چندا ماما : 2.200×10^{25} مکعب سنٹی میٹر یعنی زمین کا لگ بھگ 1/49 واں حصہ۔

طلحہ : اب ذرا بتایئے کہ آپ کی کمیت (Mass) کتنی ہے؟

چندا ماما : 7.350×10^{25} گرام یعنی تمھاری زمین کا لگ بھگ 1/81.3 واں حصہ۔

طلحہ : ماما- آپ کی کثافت (Density) کتنی ہے؟

چندا ماما : 3.341 گرام فی مکعب سنٹی میٹر۔

طلحہ : سنا ہے کہ آپ کی گردش کے تحت کیلنڈر بھی ترتیب دیے گئے ہیں-!!

چندا ماما : ہاں عرب والوں نے دیے ہیں۔ یہ کیلنڈر عیسوی کے بجائے ہجری پر مشتمل ہوتا ہے۔ مہینے اس کے قمری (Lunar) کہلاتے ہیں۔

طلحہ : کیا یہ سچ ہے کہ بعض قومیں آپ کو دیوتا سمجھتی ہیں؟

چندا ماما : ہاں منے -افریقہ اور برازیل کی قومیں ابھی تک میری پوجا کرتی ہیں، تمھارے ہندستان کے کچھ لوگ بھی معتبر مانتے ہیں؟

طلحہ : ماما- ایک راز کی بات بتایئے۔ وہ یہ کہ زمین سے آپ کا ایک ہی رخ دکھائی کیوں پڑتا ہے؟

چندا ماما : کبھی کبھی لمحے بھر کی خطا ہوتی ہے اور سزا اس کی صدیوں ملتی ہے۔ ایسی ایک خطا مجھ سے سورج کے تئیں ہو گئی تھی جس وجہ سے اس نے میرے دوسرے رخ پر روشنی ڈال کر تم سبھوں کو نہ دکھانے کی قسم صدیوں پہلے کھا رکھی ہے اس لیے تم لوگ زمین سے میرا دوسرا رخ دیکھ نہیں پاتے ہو۔

طلحہ : لیکن ایک بات بتاؤ ماما- پھر تمھارے دوسرے رخ کی تصویر زمین پر کیسے آئی؟

چندا ماما : سب سے پہلے میرے دوسرے رخ کی تصویر روس کے سٹیلائیٹ Lunik-3 نے 7 اکتوبر 1959 کو اتاری تھی جس سے تم لوگوں کو میرے دوسرے رخ کی تصویر دیکھنے کا موقع ملا۔

طلحہ : چندا ماما-انسانوں سے آپ کی ملاقات کب ہوئی؟

چندا ماما : تم زمین کے باسی تو مجھ سے ملنے کی تمنا صدیوں سے کرتے آرہے تھے۔ اس سلسلے سے تمھارے سائنس دانوں نے راکٹ پہ بٹھا کر کبھی کتے کو میرے پاس بھیجا تو کبھی عورت کو۔ ظاہر سی بات ہے کہ کتے جیسا ناپاک جانور دیکھ کر مجھے غصہ آنا ہی تھا۔ پھر عورت کو اپنے پاس آتا دیکھ کر مجھے تم انسانوں کی کم ہمتی پر مزید غصہ آیا کہ مرد ہو کر ہمت نہیں کرتا بلکہ عورت کو خطرناک گھاٹیوں میں بلیدان کرتا ہے۔ لہٰذا میں دونوں سے ملنے سے قاصر رہا۔ پھر دوسرے کئی سائنس دانوں نے مجھ سے ملاقات کی کوششیں کیں مگر ناکام رہے۔ آخر میں 21/جولائی 1969 کو امریکہ کے تین سائنس داں نیل آرم سٹرانگ، ایڈوین آلڈرین اور مائیکل کولنس کے Apollo-II کے ذریعے آنے کی خبر سنی۔ یہ تینوں بڑے ہمت والے تھے۔ ادھر میں بھی لوگوں سے ملنے کے لیے بے قرار تھا۔ میں نے اللہ سے دعا کی۔یا اللہ - بھلے ہی انسان تیرا نافرمانبردار ہے مگر ہے تو تیرا بندہ -اس کی مجھ سے ملنے کی خواہش پوری کردے۔ اللہ نے میری دعا قبول کرلی۔ اس طرح تینوں نے میری نگری میں داخل ہونے میں کامیابی حاصل کرلی۔ میری دھرتی پر سب سے پہلا قدم نیل آرم سٹرانگ کا پڑا- یہ لوگ تقریباً دو گھنٹے تیرہ منٹ اور دو سکنڈ میرے پاس رہے۔

طلحہ : ماما- نیل آرم سٹرانگ سے کیا بات چیت ہوئی؟

چندا ماما : اس نے آتے ہی مجھ سے کہا- ''ہم زمین کے باسی تمھاری دھرتی پر امن و شانتی کا پیغام لے کر آئے ہیں۔''

طلحہ : تو آپ نے کیا جواب دیا۔!!

چندا ماما : میں نے فوراً اس سے کہا کہ میاں جاؤ پہلے اپنی دھرتی پر تم لوگ امن و شانتی قائم کرو۔ وہ منہ بسور کر رہ گیا۔ اس کے بعد میں نے تم زمین والوں کے لیے اپنی دھرتی کی مٹی بطور سوغات دی۔

طلحہ : ماما- تمھاری مٹی میں کیا کیا ہے؟

چندا ماما : یہ تو تمھیں اپنے سائنس دانوں سے پوچھنا چاہیے۔ ان لوگوں نے اب تک میری مٹی میں اوسوجون، پائیر کس، میزائیٹ کے علاوہ سلیکون، ٹائٹنیم اور کرومیم دھات کا پتا لگایا ہے۔

طلحہ : سنا ہے آپ میں قوتِ کشش بھی ہے؟

چندا ماما : ہاں منّے - ہے لیکن تمھاری زمین کی کشش سے 6 گنا کم۔

طلحہ : کیا مطلب -!!

چندا ماما : مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کا وزن زمین پر 6 کلو گرام ہے تو ہماری دھرتی پر اس کا وزن ایک کلو گرام ہو گا یا پھر تم اس طرح سمجھو کہ تم اپنی زمین پر جتنا اچھل سکتے ہو اس سے 6 گنا زیادہ میری دھرتی پر اچھلو گے۔

طلحہ : ماما - آپ کی کشش سے ہم سب کو کیا فائدہ ہے؟

چندا ماما : میری کشش کی وجہ سے تمھارے سمندروں میں جوار بھاٹا آتا ہے۔

طلحہ : ماما - تم کو گرہن کب لگتا ہے؟

چندا ماما : پورنما کی رات جب زمین، سورج اور میرے بیچ آجاتی ہے۔

طلحہ : ماما - یہ بتائیے کہ راکٹ کے ذریعے آپ تک پہنچنے میں کتنے دن لگیں گے؟

چندا ماما : دو دن۔

طلحہ : کیا زمین کی طرح آپ کی دھرتی پر ہم سب کھیل کود سکیں گے؟

چندا ماما : منّے - تم تو جان ہی گئے کہ ہمارے یہاں ہر چیز زمین کے مقابلے میں چھے گنا ہلکی ہے۔ لہٰذا تم جب کسی دوست کو ہاتھ سے پکڑ کر اٹھاؤ گے تو وہ دوست تمھیں روئی کی طرح ہلکا لگے گا۔ اگر تم یہاں ہماری زمین پر گرو گے تو زمین کی طرح نہیں بلکہ تم پانی کے اندر غوطہ لگانے کی طرح گرو گے۔ اگر خدانخواستہ منہ کے بل گر بھی جاؤ تو تم کو چوٹ نہیں لگے گی بلکہ صرف میرے فرش پر اپنے ہاتھوں سے بٹن کی طرح دباؤ گے تو فوراً اٹھ کھڑے ہو جاؤ گے۔

طلحہ : اچھا - آپ نے جیسا بتایا کہ آپ کے یہاں بات چیت کرنی اور سننی ممکن نہیں ہے تو ایسی حالت میں ہم کیا کریں گے؟

چندا ماما : منّے - اس کے لیے تمھیں ریڈیو یا پھر اشاروں کی زبان استعمال کرنا ہو گا۔

طلحہ : ماما - دیکھو میری آخری بات سنو۔ تم دیکھ ہی رہے ہو کہ زمین پر ہم سب کی آبادی کتنی تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ اگر زمین پر رہنے کی جگہ ختم ہو جائے گی تو کیا تم اپنے پاس رہنے کے لیے بلا سکتے ہو؟

چندا ماما : منّے - ذرا صبر کرو۔ میرے بارے میں مزید جانکاری حاصل کرنے کی دن رات انتھک کوشش کرتے جاؤ۔ ہو سکتا ہے کہ میری دھرتی پر تم سبھوں کے لیے ہوا اور پانی کا مسئلہ حل ہو جائے۔ جیسا کہ پچھلے دنوں امریکہ کے محکمہ دفاع کے کلے میٹائن سٹیلائیٹ نے ایک زبردست خوش خبری تم لوگوں کو سنائی ہے کہ میری دوسری سطح پر اسکران ڈیگر بیسین میں برف جمی ہوئی ہے۔ اس نے یہ بھی پتا لگا لیا ہے کہ آج سے تقریباً 36 کروڑ سال پہلے ایک دُم دار تارہ (Comet) میری سطح سے ٹکرایا تھا جس کے نتیجے میں یہ بیسین (Basin) بنا۔ اسی دمدار تارے کے پچھلے حصے میں موجود پانی کی بھاپ میرے اس بیسین میں گھس گئی ہے۔ اس طرح پانی کا مسئلہ تو حل ہوتا ہوا نظر آرہا ہے۔ آگے کیے جاؤ کوشش میرے منّے -!!

(طلحہ - طلحہ - امّی کی آواز سنائی پڑی۔ کیا کھانا نہیں کھاؤ گے۔ رات کافی ہو چکی ہے۔ طلحہ - چندا ماما کو الوداع کہہ کر چھت سے نیچے چلا آیا۔)

Nadipar Sitladanga
P.O. Asansol-713302 (W.B.)

قومی کونسل کے رام پور کمپیوٹر سینٹر کے لیکچر روم میں پروفیسر گوپی چند نارنگ طلبہ سے محوِ گفتگو۔ عاصم راجہ اور ڈاکٹر شہزاد انجم بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔

گجرات اردو ساہتیہ اکادمی کے چیئرمین اور مشہور نقاد پروفیسر وارث علوی، جناب جمال قریشی کو "گورو پرسکار" سے نوازتے ہوئے۔

RNI No. 70323/99

DL-15052 / 2001

URDU DUNIYA Monthly, May, 2001, Vol. 3, Issue: 5
National Council for Promotion of Urdu Language
Department of Secondary and Higher Education, Ministry of H.R.D., Government of India, New Delhi

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

محکمہ ثانوی و اعلا تعلیم، وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند، ویسٹ بلاک۔ 1، آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی۔ 066 110

انتخاب غزلیات میر
ڈاکٹر حامدی کاشمیری

میر تقی میر کی شاعری کا حشر نامہ شخصی زندگی کی حدوں کو سمیٹتا ہوا ایک آفاقی انسانی صورت حال کو ابھارتا ہے جس میں سایوں اور روشنیوں کی ایک طلسمی دنیا آباد ہے۔

دوسری اشاعت

255 صفحات قیمت 62 روپے

اردو کی کہانی
سید احتشام حسین

بچوں کی تعلیمی ضروریات نیز تعلیم بالغان کے تقاضوں کو سامنے رکھ کر اس طرح لکھی گئی ہے کہ اردو زبان و ادب کی تاریخ ابتدا سے موجودہ دور تک ایک تسلسل کے ساتھ سامنے آجائے۔ کتاب میں [illegible] 19 تصویریں بھی ہیں۔

دوسرا ایڈیشن

104 صفحات قیمت 21 روپے

امریکی ادب کا مختصر جائزہ
ڈاکٹر سلامت اللہ خاں

بیسویں صدی میں امریکہ میں ایسا ادب تخلیق ہو رہا ہے جو اپنی بعض خصوصیات میں دوسرے ممالک کے انگریزی ادب سے مختلف ہے۔ اس کتاب کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ امریکی ادب کے تاریخی اور ثقافتی سیاق و سباق کو وضاحت کے ساتھ پیش کیا جائے۔

دوسرا ایڈیشن

192 صفحات قیمت 52 روپے

اردو ادب کی سماجیاتی تاریخ
پروفیسر محمد حسن

ادبی سماجیات ایک نئے علم کی حیثیت سے حال ہی میں سامنے آئی ہے۔ یہ کتاب اردو میں ادبی سماجیات کے مطالعے کی پہلی کوشش ہے جو اس کے تمام اہم پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہے۔

پہلی اشاعت

334 صفحات قیمت 98 روپے

اردو ریڈیو اور ٹیلی ویژن میں ترسیل و ابلاغ کی زبان
ڈاکٹر کمال احمد صدیقی

مصنف برسوں تک آل انڈیا ریڈیو میں مختلف عہدوں پر رہے ہیں۔ انھوں نے ہر پہلو کے ساتھ ریڈیو اور ٹیلی ویژن کی زبان پر گفتگو کی ہے۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے کارکنوں کے لیے یہ کتاب خصوصی اہمیت رکھتی ہے۔

پہلی اشاعت

646 صفحات قیمت 200 روپے

اردو ڈراموں کا انتخاب
مرتب: پروفیسر محمد حسن

1947ء سے 1990ء تک اردو میں لکھے جانے والے ڈراموں کا ایک نمائندہ انتخاب جن میں تاریخی، نیم تاریخی، سماجی اور [illegible] ڈرامے بھی شامل ہیں۔ ابتدا میں فاضل مرتب نے ڈرامے کے فن [illegible] پر گفتگو کی ہے۔

پہلی اشاعت

600 صفحات قیمت 156 روپے

آندھی میں چراغ
خواجہ غلام السیدین

مصنف کا ماننا ہے کہ "ہر انسان ایک انمول شخصیت کا امین ہے اور اس کی نشو و نما، پوشیدہ صلاحیتوں کی تربیت فرد اور جماعت دونوں کا فرض ہے۔" یہ کتاب شخصی اور اتفاقی خواہوں سے اسی اجمال کی تفصیل پیش کرتی ہے۔

دوسرا ایڈیشن

376 صفحات قیمت 73 روپے

انسانی شخصیت کے اسرار و رموز
پروفیسر ساجدہ زیدی

علم النفسیات کا سب سے اہم پہلو شخصیت کی نفسیات ہے۔ اس کتاب میں انسانی شخصیت کے کردار کی تحریکی، جبلی، فعلی اور امکانی عناصر اور ان کی آمیزش پر شخصیت کی پردہ کشائی کی کوشش کی گئی ہے۔

پہلی اشاعت

456 صفحات قیمت 123 روپے

اردو لغت نویسی کا تنقیدی جائزہ
ڈاکٹر مسعود ہاشمی

اس کتاب میں منظوم نصابی لغت ناموں سے اردو کی تمام معروف و مستند لغات تک کا مفصل تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے اور ان کی خوبیوں کی نشاندہی کے ساتھ ساتھ خامیوں کو بھی سامنے لایا گیا ہے۔

پہلی اشاعت

238 صفحات قیمت 30 روپے

نوٹ:۔ طلبہ و اساتذہ کے لیے خصوصی رعایت۔ تاجران کتب کو حسبِ ضوابط کمیشن دیا جائے گا۔

Printed and Published by Dr. M. Hamidullah Bhat, Director, NCPUL on behalf of NCPUL, Printed at J.K. Offset Printers, Jama Masjid, Delhi-110006 and Published at NCPUL, West Block-I, Wing-6, R.K. Puram, New Delhi-110 066.
Editor Dr. M. Hamidullah Bhat, Tel.: 6103381, 6109938